حدیث حسن، از جناب نظرت واسطی، حجم ۱۱۲ صفحے، قیمت عہ مجلد، ملنے کا پتہ، شاہکار بکڈپو، گورکھپور،

یہ جناب واسطی کی پچاس نظموں کا مجموعہ ہے، جس میں ہر قسم کی نظمیں شامل ہیں، شروع میں جناب اقبال احمد صاحب سہیل علیگ، ایم اے، ایڈوکیٹ اعظم گڈھ کا مقدمہ اور مختلف انشاپردازوں اور ادیبوں کی رائیں ہیں،

بانگ جرس، از جناب ولی الدین شفیق صدیقی جونپوری، حجم ۱۵ صفحے قیمت ۸؍

یہ ایک مجموعۂ نظم ہے جسمیں کچھ غزلیں اور کچھ مذہبی اور قومی نظمیں ہیں،

سلسبیل از جناب آل احمد صاحب صدیقی سرور ایم اے، پروفیسر مسلم یونیورسٹی، حجم ۱۱۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ، پتہ، مسلم یونیورسٹی بک ڈپو علی گڈھ،

یہ جناب آل احمد صاحب صدیقی سرور کی مختلف نظمون کا مجموعہ ہے، جو زیادہ تر کشمیر کی سیر و سیاحت میں وہان کے مناظر سے متاثر ہوکر لکھی گئی ہیں، آخر میں چند غزلیں بھی ہیں، خیالات اور زبان میں دور جدید کے شعراء کا تتبع کیا گیا ہے، جدید استعارے اور ترکیبیں کلام میں زیادہ ہیں، جناب رشید احمد صاحب صدیقی نے اس مجموعہ کا اپنے خاص انداز میں تعارف کرایا ہی،

انقلاب فرانس مصنفہ مولوی عبد القادر صاحب بی اے، (جامعہ) ضخامت ۱۹۸ صفحے، تقطیع خورد، پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، قیمت ۱۲؍

اس کتاب میں انقلاب فرانس کی تاریخ دلچسپ انداز میں لکھی گئی ہے، ابتدا میں مصنف نے جمہوریت کی ایک مختصر سی تمہید لکھی ہے جسمیں جمہوریت اور شخصیت کے فرق اور ان کے مفاد اور مضار کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کے بعد انقلاب فرانس کی تاریخ بیان کی ہے، جو اکیس باب میں تمام ہوئی ہے، تمام ابواب مفید اور دلچسپ معلومات سے لبریز ہیں،

"ع"

جلد ۳۷ ماہ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۶ء عدد ۵

مضامین

ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور

کا

دوسرا سالانہ اجلاس

از سید ریاست علی ندوی،

ادارۂ معارف اسلامیہ کا دوسرا سالانہ اجلاس ۱۰ اپریل کو لاہور میں منعقد ہوا جس میں ملک کی مختلف یونیورسٹیوں اور علمی و تعلیمی اداروں کے ارکان اور نمایندے شریک ہوئے، دار المصنفین کی جانب سے راقم نے اس میں شرکت کی، اور "سراج ہندی" کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا جس میں آٹھویں صدی ہجری کے ایک ایسے گمنام مشہور ہندوستانی عالم کو روشناس کیا گیا تھا جس کا ذکر اگرچہ ہندوستان کی تاریخوں میں نہیں، لیکن وہ مصر میں قاضی القضاۃ کے بلند منصب پر فائز تھا، اور اس کی قابل قدر تصنیفات سے کبھی علم دین کا چراغ روشن تھا،

اس اجلاس کو اس لحاظ سے کامیاب کہا جاسکتا ہے کہ اس میں اسلامی مشرقی علوم و فنون کے ہندوستانی مسلمان خدام کا ایک قابل قدر اجتماع ہوا، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کی طرف سے ڈاکٹر مولانا محمد حمید اللہ استاذ فقہ (جن کا ایک مقالہ اس پرچہ میں شریک اشاعت ہے) ڈاکٹر نظام الدین صدر شعبۂ فارسی اور ڈاکٹر عبد الحق صدر شعبۂ عربی نے اپنے مقالات "ایران سے مسلمانوں کے قدیم تعلقات" "جدید ایران کے علمی رجحانات" اور "جدید مصر کے دو شاعر حافظ و شوقی" پر سنائے، دہلی یونیورسٹی کے شمس العلماء مولانا عبد الرحمن صدر شعبۂ عربی، اور ڈاکٹر ظفر علی نے "الرواج حول الجزیۃ والخراج" اور "تاریخ محمد عارف قندہاری" پر مضامین پڑھے، ڈاکٹر زبید احمد الٰہ آباد نے "علوم قرآنی پر ہندوستان کی عربی تصنیفات" کو پیش کیا، ڈاکٹر ہادی حسن علی گڈھ نے اسلامی

تصوف پر اپنے شذرات افکار پیش کئے، ڈاکٹر عندلیب شادانی ڈھاکہ یونیورسٹی نے "تاج المآثر حسن نظامی نیشاپوری" پر اور مولوی امتیاز علی عرشی رامپور نے کتاب الانساب سمعانی کے ایک قلمی نسخہ پر مضامین پڑھے اور کتاب الانساب کے عکسی مطبوعہ نسخہ کے بعض مسامحات دکھائے، پروفیسر شجاع منعمی بھاولپور نے "انعطاف کا سبب مسلمان سائنس دانوں کی تشریح کے مطابق" بتایا، اور ہمارے دوست قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی نے شبلی کو بحیثیت ایک فارسی شاعر کے پیش کیا، پنجاب کے ممتاز اہل علم میں جناب عبد اللہ یوسف علی (پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور) نے "اسلامی تاریخ کی وسعت اور مضمون اور یونیورسٹیوں میں اسکی تعلیم کے لئے مواد کی فراہمی کی ضرورت" پر ایک تحریری خطبہ پڑھا، پرنسپل محمد شفیع (اورینٹل کالج) نے "پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے بعض قدیم دستاویزات" پیش کئے، اسی طرح پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال (سکریٹری ادارۂ معارف) نے "چھٹی صدی کے ایک ایرانی شاعر سیف اسفرنگی" کو ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (گورنمنٹ کالج جھنگ) نے اپنے "ملک سے متعلق عربوں کی اقتصادی زندگی" کو اور ڈاکٹر برکت علی قریشی (اسلامیہ کالج لاہور) نے "ابن خلدون کی رائے کے مطابق مملکت و تہذیب و تمدن" کو پیش کیا، پنجاب کے نوجوانوں میں پروفیسر شیخ سنجار احمد اور جناب محمد باقر نسیم رضوانی وغیرہ کے مضامین تھے، مجموعی طور پر ۲۵، ۳۰ مقالات سنائے گئے، اور بعض فضلاء جو شریک نہ ہوسکے انھوں نے اپنے مقالات بھیجے،

ادارہ کی جانب سے ایک علمی نمایش کا بھی اہتمام کیا گیا تھا، جس میں نادر الوجود سکوں کے علاوہ بعض قیمتی کتابات کے نقول جناب عبد اللہ چغتائی کے ذریعہ فراہم کئے گئے تھے، ادارہ کے دو اجلاسوں سے یہ آشکارا ہوگیا کہ اس کے مخلص کارکنوں نے اسکی ابتدائی مشکلات پر قابو پالیا ہے، کارکنان ادارہ نے اعلان کیا ہے کہ اس کا آیندہ اجلاس ایک سال کے وقفہ کے بعد لاہور کے باہر کسی شہر میں ہوگا، جو خواہ دہلی یا علیگڑھ ہو اور یا اعظم گڈھ کا، دوسرا جیسے دار المصنفین ہے۔

لاہور کے اس سفر میں مختلف اہل علم کے موجودہ علمی مشاغل سے بھی واقفیت کا موقع بہم پہنچا، ڈاکٹر زبید احمد الٰہ آباد نے "ہندوستان اور عربی علوم و فنون کی خدمات" کے موضوع پر ڈاکٹری کی سند حاصل کی تھی، انکی یہ قابل قدر تصنیف

اسوقت تک شائع نہ ہوسکی ہے، وہ ان دنوں اسی پر نظر ثانی میں مصروف ہیں، اور اشاعت کے بعض ابتدائی مراحل طے کر چکے ہیں، توقع ہے کہ چند ماہ میں یہ کتاب شائع ہوجائے، وہ اس سے پہلے ہندوستانی زبان میں ناظرین معارف کے سامنے اپنے علمی نتائج فکر پیش فرمانے والے ہیں،

پنجاب کے نوجوان فاضل اور ہفت زبان ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ عرب کی علمی بادیہ پیمائی میں مصروف ہیں اور نئے نئے عنوان سے انمول جواہر دامن میں سمیٹ رہے ہیں، پروفیسر صوفی غلام مصطفی تبسم (گورنمنٹ کالج لاہور) مغل سلاطین اور شاہزادوں کو مصنف، ادیب اور شاعر کے لباس میں پیش کرنے والے ہیں، اور بڑی عرق ریزی سے دانہ دانہ چن کر خرمن تیار کرلیا ہے، ان دوستوں کے بعض مضامین ناظرین معارف کیلئے اپنے ساتھ پنجاب سے تحفہ لایا ہوں، اور بعض زیر ترتیب مقالات چند دنوں میں آنے والے ہیں،

ڈاکٹر اظہر علی صاحب دہلی یونیورسٹی عبدالرحیم خانخاناں پر کام کر رہے ہیں، اور مولوی عبدالماجد صاحب (محکمہ تعلیم پنجاب) اپنے بعض جرمن و فرنچ داں دوستوں کی مدد سے ترکی تاریخ کے ایک حصہ کی تسوید و تحقیق میں مصروف ہیں، یاد بخیر ڈاکٹر تاثیر المعی بیت کے نووارد ہیں، ناظرین معارف "نامۂ کیمبرج" کے ذریعہ ماہ ستمبر ۳۲ء میں ان سے روشناس ہوچکے ہیں اور وہ معارف کی زبان میں پنجاب کے متوقع فاضل، ادیب و نقاد ہیں، انہیں اردو انگریزی ادبیات پر یکساں عبور ہے، اور ہمارے لئے خاص طور پر انکا مذہبی جذبہ اور انکی اسلامیت لائق احترام ہے، اب وہ انگریزی ادب میں کیمبرج سے ڈاکٹری کی سند لیکر واپس آچکے ہیں اور یہ پہلا امتیاز ہے جو کیمبرج سے انگریزی ادب میں کسی ہندوستانی نے حاصل کیا ہے، اور بحمد اللہ کہ "انگریزیت" کیساتھ انکی "اسلامیت" بھی برقرار رہی ہے، انہیں اپنے خاص موضوع انگریزی زبان و ادب میں بھی اسلامی تہذیب و تمدن کے جلوے نظر آئے، وہ اس موضوع پر ایک سلسلۂ مضامین ناظرین معارف کے سامنے پیش کرنے والے ہیں، جس کے ابتدائی خاکہ کی داغ بیل وہ ڈال چکے ہیں،

اطلاع:۔ اڈیٹر معارف ان دنوں صحت کی درستی کے لئے دہرہ دون میں قیام فرما ہیں، اگرچہ اب بھی ان پر خطوط کے جواب کا زیادہ بار ڈالنا مناسب نہیں، لیکن دفتر میں ان کے پتہ کے دریافت کرنے کے لئے خطوط آرہے ہیں، اسلئے اطلاع دیجاتی ہے کہ انہیں "نمبر ۲، اندر روڈ، ڈہرہ دون" کے پتہ سے خط بھیجے جاسکتے ہیں،

مقالات

عربوں کی جہازرانی

پر

استدراک

ازجناب ڈاکٹر مولینا محمد حمید اللہ صاحب ایم اے پی ایچ ڈی استاد فقہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن،

کم کتابیں ہوتی ہیں، جو متخصصین (ماہرین فن) اور عوام دونوں کو یکساں پسند آئیں، ان خوش نصیب کتابوں میں سے ایک مولینا سید سلیمان ندوی کی تازہ تالیف "عربوں کی جہازرانی" ہے مضمون اتنا اچھوتا اور بحری مواد اتنا زیادہ، اس کی کم توقع تھی، خاصکر طبع اول کے وقت، اسکی عام پسندی کا شاید اس سے بھی اندازہ ہوسکتا ہے، کہ بعض روزناموں نے بہ اقساط پوری کتاب اپنے صفحوں میں نقل کردی، میں بھی ان "شائقین" میں سے ہونے کی عزت رکھتا ہوں، جو اس کتاب سے واقف تھے، اور ان کا تقاضا تھا کہ یہ جلد چھپ کر منظر عام پر آجائے، کئی سال کے انتظار کے بعد جب اس کا اشتہار نظر سے گذرا، تو میں نے فوراً یہ کتاب منگائی، اور باوجود وقت اور ضروری مصروفیتوں اور فرائض منصبی کے، اسے ختم کرکے ہی چھوڑی، پڑھتے وقت حاشیوں پر جابجا اپنی یادداشت کیلئے کچھ معلومات لکھے، اب انہی باتوں کو یہاں کسی قدر پھیلا کر بیان کروں گا،

یہ کوئی تنقید نہیں ہے، تنقید اسی وقت ہوتی ہے، جب دلچسپ اور کار آمد ہو، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جب ناقد بھی اس کتاب کے موضوع کا ماہر ہو، اور قریب قریب تالیف کے برابر ہی تنقید پر محنت صرف کرے، یہ تو چند بے ربط معلومات ہیں، جو مہینے بھر سے بستر پر پڑے ہوئے ایک بیمار کے کمزور دماغ اور کمزور تر حافظے

نے اپنے مالیہ سفرِ تعلیمی کی بیاض کی مدد سے اکٹھا کیے ہین، اس جلدی کی وجہ یہ ہے کہ آج کل جبری آرام ملا ہوا ہے، پھر ایسی فرصت کہان، اب ذی حجہ ۵۴ھ کی ابتدا ہے، عید کے بعد شاید نئی مصروفیتیں ہون، یہ مضمون اگر کوئی بحران نہیں تو ایک عامی کا بیان ہی، اس سے زیادہ نہیں،

اس تحریر کا ایک باعث یہ بھی ہو کہ ابھی ابھی سالِ حال کے مقابلے میں کامیاب ہونے پر دو عربی لنسل مسلمان، حیدر آبادی میرے بھی رشتہ دار، نوجوان، حکومت برطانوی ہند کے ڈفرن جہاز پر قائم کردہ مدرسے میں بحری تعلیم کے لئے بطور کیڈٹ داخل کئے گئے ہین، یہ خبر سن کر ریاست حیدر آباد کے کھوئے ہوئے ساحل کی تاریخ بجلی بن کر دماغ میں کوند گئی، اور ٹھنڈی آہ نکال کر گرم آنسو ٹپکا گئی،

ایک کمی، سب سے پہلے ایک قدیم شکایت دہرانی پڑتی ہے، جس کے جواب میں "عموم البلوی" کا فقیہانہ عذر بھی اب نامقبول ہو، وہ یہ کہ اتنی اچھی کتاب اور پھر بھی اشارے (انڈکس) اور کتابیات (ببلیاگرافی) سے محروم! ایک دفعہ میں نے سوربون (پاریس) میں اپنے ایک پروفیسر سے مزاحاً کہا تھا، کہ اشاریے اور کتابیات کی خواہش وہی ناظر کرتے ہیں، جو سست اور کام چور ہون، ان کا جواب اب کبھی نہیں بھولون گا، انھون نے سادگی سے کہا، ہان سست اور کام چور مؤلف ہی اس محنت اور افادۂ عام سے باز رہتا ہے،

سید صاحب کی محنت اور انہماک سے میں واقف ہوں، سید صاحب اپنے شاگردون سے یہ کام لے سکتے اور اپنا قیمتی وقت دوسرے کامون کے لئے بچا سکتے ہین، ہمارے اچھے مؤلفون کی کتابون کو دیکھ کر گرے کا قطعہ یاد آتا ہے:-

الی آخرہٖ Full many a gem of purest ray serene

اسما و اعلام اور مطالب کی ابجدی فہرست نہ صرف ناظرین کو بلکہ خود مؤلف کو ہمیشہ مدد دیتی اور کارآمد ثابت ہوتی ہے، یہی حال حوالوں اور ماخذون کی کتابون کے علٰحدہ یکجا تذکرے کا ہے، مجھے معلوم نہیں سید صاحب نے سرہنگ زادہ کی "حقائق الاخبار عن دول البحار" سے استفادہ کیا ہے یا نہیں، کتاب مین کتابیات

ہوتی تو تحقیق کرلی جاتی، سرسری ورق گردانی مین اس کا کہین حوالہ نہین دکھائی دیا، اس کتاب کی دو ضخیم اور ایک معمولی حجم کی جلدین عرصہ ہوا مصر میں چھپی ہین، پہلی جلد مین مسلمانون کی بحریت ہی کا ذکر ہے،

حدیث کا مواد، عہدِ جاہلیت میں عربون کی جہازرانی کے معلومات لغت، قدیم اشعار اور قرآن مجید سے زیادہ تک حاصل ہوسکتے ہین، (عکبرۃ) لیکن اس سلسلے میں حدیث کے وسیع ادب کو ہاتھ لگائے بغیر چھوڑ دینا کم از کم طالب علمانہ احتیاط کے خلاف ہے، ممکن ہے ان خطبات کی تیاری کا ناقابلِ یقین کم وقت حدیث سے مواد حاصل کرنے کے محنت طلب کام میں مانع رہا ہو، سرخسی کی شرح السیر الکبیر للامام محمد میں متعدد دلچسپ واقعات ملتے ہین، علی متقی کی کنز العمال اور تبویب الحدیث (غیر مطبوعہ) مین فن بحری سفر کے متعدد مستقل باب ملتے ہیں،

لغت، کشتی اور جہاز کے الفاظ (عکبرۃ) صرف دس دئیے گئے ہیں، بعد مین کچھ اور آئے ہین، لیکن یہ فہرست بہت ہی سرسری ہے، اول تو ان لغت کی کتابون کی ورق گردانی ضروری ہے جن میں فن وار الفاظ یکجا کئے گئے ہین، پھر اس موضوع پر لکھے ہوئے جدید رسالے بھی دیکھنے ضروری ہین،

مثال کے طور پر وستن فیلڈ (Wüstenfeld) کا رسالہ (Die Namen der Schiffe im arabischen) (جہازون کے نام عربی مین) اس میں کوئی سو نام ہیں، میں یہان ان کو بلا تنقید بہ ترتیب ابجدی دہرا دیتا ہون، شاید یہ رسالہ آسانی سے ہر کسی کو دستیاب نہ ہوسکے،

اسطول (ج اساطیل) اعواری بالوع بجریہ برعانی

اسطولا بارجہ یاہرات براکیۃ برکۃ، کبرکۃ

لہ عکبرۃ نعنی ہر ''عربون کی جہازرانی'' کا،

برکوس (لا برکوس) جفار، جفاية، ذهبية سوقية ظلاظل

برتة جُفل رکوة شبارہ عجوز

بريک جَفن رمادہ[1] شباک قدولی

بسطة جلبة رَمَث، شبوق عرواس

بطاس جُنک زيرباذيه شختور عشاری، عشری

بطان حرّاقة، حرّاک زبزب شختورہ غارب

بُطسه حمّالة زلّاج شُلمی غراب

بوس، بوص، بوصی حمامه زلال شلندی فلک، فلوک

بيرجة خليج زورا شموط فلوکة

تکوی خلية زورق شنان قادس

جارية (ج جوار) خن سفينة شکولية قارب

جاسوس خيطية سکّان شينی قُرقُور، قرقورہ،

جلبية دُغيص ستّورہ صلغه قطعات

جدی دقل سماريه طبطاب کارونية

جراب ذات الرفيف سمير طريدہ کلک[2]

جرم ذونج سنبوق طيار، طيرہ کندوريات

---

[1] الرمادہ ([illegible]) [2] القلقشندی نے صبح الاعشیٰ میں ایک لفظ "کُکّة" بھی دیا ہے جسکی جمع کُکک بتائی ہے، اور اس سے ایک رسم الخطی لطیفہ بھی بیان کیا ہے، جو باصلاح خفیف یوں ہوگا، مارأینا ککّاً کککک (ہم نے تیری کشتیوں جیسی کشتیاں نہیں دیکھیں،) یعنی پانچ کاف ایک ہی لفظ میں یکجا جمع ہو گئے ہیں،

لاطئة، مرکب، مصباب، ملقوطة، واجبات،

ناجتون، مرکوس، معبر، ناغصة، وجيبة

ناشوت، مسجية، مَعدية، نقيرة[1] ہرہورا

نَتّشة مستعام، مقلّع، نجبورغ،

مرزاب، مسطحات، مکية، واسطية،

اسی سلسلے میں ابن مماتی کا بھی ایک اقتباس (بحوالہ وستنفلد) دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:-

الاسطول المنصور هو الآن يجری	اسطول منصور، اور وہ مصری محکمہ
فی ديوان الجيش المصری وسنذکر	فوج میں رائج ہے، اور اپنے موقع
حاله فی موضعه، اسماء مراکبه	پر ہم اس کا حال لکھیں گے، اس بیڑے
طريدة، شينی، مسطح حراقة،	کے جہازوں کا نام یہ ہے، طریدہ، شینی
مرکوس، شلندی، اعراری.	مسطح، حراقہ، مرکوس، شلندی، اعراری
ومنفعة المسلمين به اشهر	اس سے مسلمانوں کو جو فائدہ پہنچتا ہے،
من ان تذکر، واکثر من ان	اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ
تحصر فاما الطريدة فانها برسم	عام طور پر مشہور ہے، اور اس کا احاطہ
حمل الخيل، واکثر ما تحمل	نہیں کیا جا سکتا، طریدہ گھوڑوں کے
اربعين فرسا. واما الحمالة فيحمل	لادنے کے لئے مخصوص ہے، اور زیادہ سے
فيها الغلة - واما الشلندی فانه	زیادہ اس پر چالیس گھوڑے لادے

---

[1] شاید اس سے ناقرہ یا نقارہ کا لفظ تارپیڈو کے لئے برتا جا سکتا ہے، شاید خرّاقة بھی، (اغرقتها التغرق اهلها،)

مرکب مسقف تقاتل الغزاة على ظهره وجدّافون يجدفون تحته. واما المسطح فهو في معناه فاما الشيني. والمسمى الغراب (نسخة: العرات) ايضاً فانه يجدف بمائة واربعين مجدافاً وفيه المقاتلة والجدّافون، والحرّاقة مختصرة وربما كانت مائة (ملتة) وحوالى ذلك والعراري (الاعزاري) من توابعه يحمل فيه الازواد، والمركوس لطيف لنقل الماء لخفته يدخل على المواضع و يكون وسقه (وسعه ؟) دون مائة اردب۔

جاتے ہین، حمالہ مین غلہ لادا جاتا ہی، مسقف ایک چھت والا جہاز ہے، جس کی چھت کے اوپر سے سپاہی لڑتے ہین، اور ملاح اوسکے نیچے ہوتے ہین، مسطح بھی اسی قسم کا ہوتا ہے، شینی جسکو غراب بھی کہتے ہین وہ ۱۴۰ ڈنڈ سے چلایا جاتا ہے، اور اسمین سپاہی اور ملاح ہوتے ہیں، حراقہ مختصر ہوتا ہے، اور بسا اوقات سو یا اوس کے قریب قریب ہوتا ہے، اور عراری اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے، اور اس میں رسد لادی جاتی ہے، مرکوس اپنے ہلکے پن سے پانی میں آسانی سے چلتا ہے اور ہر جگہ جا سکتا ہے۔۔۔۔

زین الدین المعبری کی تحفۃ المجاہدین فی بعض اخبار البرتکالیین[1] نامی تاریخ ملیبار میں بھی متعدد دیگر نام ہین،

---

[1] یہ عربی کتاب، پرتگالی ترجمے کے ساتھ ۱۸۹۸ء میں لزبن (پرتگال) میں چھپی ہے، رسالۂ تاریخ کا شائع کردہ جدید اڈیشن بلا مبالغہ فی سطر پانچ چھ غلطیوں کا حامل ہے، پتھر کے چھاپنے اور بھی ناس

تمیم الداری۔ لفظ "داری" کے معنی بھی (معجم صفحہ ۱) ملاح کے بتائے گئے ہین، کیا حضرت تمیم الداری رضی کو بجائے قبیلۂ بنی الدار کی جانب منسوب کرنے کے، ان کے بحری سفرون کے باعث اس لقب سے ملقب ہونا قرار دیا جائے، تو زیادہ صحیح نہ ہوگا؟ قصۂ تمیم الداری پر مقریزی کا اشاعت طلب رسالہ الضوء الساری لمعرفة خبر تميم الداری، (مخطوطہ لاءڈن و پاریس) کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، اس کا ایک فقرہ یہ ہے:-

"تميم بن اوس الداری يكنّٰى ابا رُقيّة قدم مصر وقيل ان قدومه كان لغزو البحر......"

بوشہ۔ لفظ بوشہ کا استعمال (معجم صفحہ ۲۲) المعبری نے بھی ملیبار کی تاریخ میں کثرت سے کیا ہے، شاید اس کو (Barge, Bark, Barchella, Barque, Barquelle) BARCA یورپی السنہ[1] کے کسی لفظ سے تعلق ہو، ممکن ہے پرتگالی تلفظ ہو، پرتگالی لغت اس وقت میرے سامنے نہیں ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۰) کر دیا ہے، مزید بران اسمین بعض اصلاحین اصلاح ناشناس ہین، مثلاً شہر کوشی (مقامی تلفظ کچی) کو کوشن (بربنائے Cochin) کر لیا گیا ہے،

[1] یہ امر شاید دلچسپی سے پڑھا جائے گا، کہ لفظ یورپ کی اصلیت کیا ہے، میرے ایک سامی لسانیات کے پروفیسر نے پاریس میں بیان کیا تھا کہ بابل والے مشرقی ملکون کو شمش آسیا کہتے تھے، اور مغربی ملکون کو شمش اوریبا، عربی دان فوراً پہچان لین گے، کہ شمش وہی ہی جو عربی میں شمس (شموج کی صورت مین برتا جاتا ہی، آسیا اٹھنے اور نکلنے کے معنی میں مواساۃ (غم دور کرنا ہمدردی کرنا) سے غالباً تعلق رکھتا ہے، موسیٰ (پانی سے نکالا ہوا) بھی اس سے رشتہ رکھتا ہے، بابلی زبان میں (غ) نہیں تھا، وہ اسے الف کی طرح پڑھتے تھے، اس طرح معلوم ہوگا کہ اوریبا، اور غروب، مغرب میں کتنا گہرا تعلق ہے، انہی بابلی الفاظ سے یورپ اور ایشیا بنے اور پھیلے ہین،

زبان زد بحری محاورے، الفاظ کی اس بحث کے سلسلے میں یہ امر بھی شاید قابلِ ذکر ہے، کہ متعدد بحری محاورے عربوں کی زبان پر چڑھ گیے تھے، یہ سمندر سے روزمرہ کے تعلق کے بغیر ممکن نہیں، ان میں سے دو پر کچھ بیان بے محل نہ ہوگا،

ایک تو خود قرآن مجید (۴۶:۸) میں بھی برتا گیا، "تذھب ریحکم، تمھاری ہوا اکھڑ جائیگی، یا تمھاری قوت جاتی رہے گی" اس محاورے کی اصلیت میرے خیال میں بادبانی جہاز رانوں کا محاورہ ہوگا، کہ بادبان سے ہوا بدل گئی، خواہ رُخ کے تغیر سے خواہ بادبان کے پھٹ یا ٹوٹ جانے سے، تو جہاز اور جہاز ران بے بس ہو جاتے ہین،

دوسرا ایک اور محاورہ "ما بلّ بحرٌ صوفة" کا ہے، اور نہ صرف عبد المطلب کی جانب منسوب ایک معاہدے میں[1] برتا گیا ہے، بلکہ ہجرت کے بعد ہی آنحضرت صلعم نے جو معاہدے[1] ہمسایہ عرب قبائل سے کیے ان میں بھی اس کا کئی بار استعمال ہوا ہے، ابن ہشام نے بھی اپنی سیرت میں اسے برتا ہے، اس کا لفظی یا محاورہ ترجمہ ہوگا، کہ جب تک سمندر موجیں مارتا ہے یعنی ہمیشہ کے لئے، لیکن خود "صوف البحر" بھی ایک دلچسپ چیز ہے، اس پر کم کچھ سننے میں آتا ہے، اسلئے اگر ابن البیطار کی کتاب المفردات (جلد ۲ ص ۱۳ ب) (صوف البحر) (ص ۴۹، س ۹ الخ) اور دوزی (Dozy) کی عربی لغت (Supplément ج ۱ ص ۸۶) سے اس صوف البحر یعنی سمندری اون کی تشریح معارف میں کسی وقت شائع کر دی جائے، تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، اگر موقع ملا تو کسی آیندہ فرصت میں اسے ناظرین معارف کے سامنے پیش کرونگا،

قرآن اور سمندر، قرآن مجید میں سمندر کا ذکر (عکجر ص ۳۰ تا ۴۰) ایک مستقل مقالے کا محتاج ہے، یادداشت کے لیے لینن گراڈ کے پروفیسر بارتولد کے مضمون کی طرف یہاں صرف اشارہ کرونگا، جس کا جرمن ترجمہ جرمنی کے مشہور مشرقیاتی رسالے (Zdmg) ۱۹۲۹ء (کے صفحہ ۳۰ تا ۴۴) میں ڈاکٹر ریتر نے بعنوان ذیل کیا ہے:-

Der Koran und das meer

یعنی قرآن اور سمندر (اصل مضمون Zapiski Kollegii vostokovedov, i, p. 106–110) میں ۱۹۲۵ء میں روسی میں شائع ہوا تھا، اس مضمون میں پروفیسر بارتولد آنجہانی نے علاوہ اور باتوں کے اس یورپی خیال کو پھر سے تازہ کیا ہے، کہ آنحضرت صلعم نے خود ضرور بحری سفر کیا ہوگا، اسکے بغیر قرآن میں سمندر کے سفر وغیرہ کا اتنا مدققانہ اور کثیر ذکر نہ ہوتا،[1] قصہ حضرت موسیٰ "وکان وراءھم ملکٌ یأخذ کلّ سفینةٍ غصبا" (سورہ کہف) کی بھی کچھ تحقیق شامل کر دیجاتی تو بے محل اور غیر دلچسپ نہ ہوتی،

مرزوقی، "مرزاقی" (عکجر ص ۴۴) غالبًا طباعت کی غلطی ہے، اس سے مراد المرزوقی ہیں، ان کی زیر تذکرہ کتاب الازمنة والامکنة میں قسم قسم کے معلومات کا ایک نہایت قابلِ قدر گنجینہ فراہم کیا گیا ہے، اسکے نام میں وہ وسعت نہیں، جو اسکے مواد میں ہے،

عہد نبوی کے مزید معلومات، عہد نبوی کے ان معلومات (عکجر ص ۴۴ تا ۵۰) سے پیاسوں کی تشفی نہیں ہو سکتی، اس سلسلے میں چند اور چیزوں کا اضافہ کیا جا سکتا ہے، مثلاً:-

---

[1] زینی دحلان (السیرة المحمدیة) جلد ۳ ص ۲۰۲ تا ۲۰۴ بحوالہ ابن سعد جلد اق ۲ ص ۲۶ تا ۲۷ (معاہدات بنو ضمرہ، بنو غفار، نعیم بن مسعود الشجعی)، [2] یہ دونوں حوالے خود دوزی کی لغت میں تشریح کے ضمن میں مندرج ہین،

[1] اس سلسلے میں شاید میرے ایک مضمون کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے، جو انجمن ترقی اردو کے حالیہ شائع کردہ مجموعہ مضامین حبش اور اطالیہ کے صفحہ (۱۰۶ تا ۱۱۱) میں خاص اسی مبحث پر ہے، کہ کیا آنحضرت صلعم نے کبھی حبش کا سفر فرمایا تھا، میرا پورا مضمون صفحہ (۱۰۰ تا ۱۱۷) تک ہی ہے، گو بہ ظاہر پورا باب صفحہ (۱۲۴) تک میری جانب منسوب نظر آتا ہے،

۱۔ وہ احادیث جن میں بحری جنگوں کی پیشگوئی ہے، وغیرہ،

۲۔ عہد نبوی کی ایک بحری جنگ (حوالہ: طبقات ابن سعد، جلد ۲، ق ا، ص ۱۷، ا تا ۱۸)[۱]

۳۔ آنحضرت صلعم کے معاہدے ایلہ (شمال مغربی عرب) اور بحرین (جنوب مشرقی عرب) کی بندرگاہوں کے باشندوں سے جنمیں بحری جنگوں اور تجارت کے متعلق بھی دفعات ہیں[۲]،

نجاشی کا بھیجا ہوا وفد، نجاشی کے وفد (مگجر ص ۴۹) کے متعلق عام طور سے مشہور تو یہی ہے کہ جہاز کے ڈوبنے سے ہلاک ہوگیا، وفد کا سرگروہ نجاشی کا بیٹا، بھی اسی زمرے میں شامل تھا، لیکن سمہودی نے تاریخ مدینہ (   ) میں بیان کیا ہے، کہ نجاشی کا بیٹا مدینہ آیا، اور حضرت علیؓ سے رشتۂ موالات بھی پیدا کرلیا، اور لبعد میں اپنے باپ کے مرنے پر مدینہ ہی میں رہنا پسند کیا، اور حبش جاکر تخت نشیں ہونے سے انکار کردیا، حبشی وفد کے آنے کا ذکر ابن عبدالباقی وغیرہ نے بھی کیا ہے، اور لکھا ہے، کہ آنحضرت صلعم د فورِ اخلاق سے ان لوگوں کی خدمت خود فرماتے تھے، اور یہ گویا مہاجرین مکہ کی حبشہ میں پناہ دہی کا جواب تھا، ابن عبدالباقی کی الطراز المنقوش (حالات جبر بد) نیز فضائل حبشیان کی ایک مطبوعہ کتاب سواطع الانوار (ص ۸۲) پر آنحضرت صلعم کے نام آیا ہوا نجاشی اصحمہ کا جو خط درج ہے، اس میں اس وفد اور اپنے بیٹے ارہا کے بھیجنے کا ذکر ہے اگر خط صحیح ہو تو نامہ بر یقیناً نجاشی کا بیٹا ہوگا، مگر یہ خط متقدمین کے ہاں نہیں ملتا،

حضرت عمرؓ کتاب الخراج میں امام ابویوسف لکھتے ہیں، کہ حضرت عمرؓ نے قوم من اهل الحرب دراء البحر سے تجارتی معاہدہ کیا تھا، کہ وہ ممالک محروسۂ اسلامیہ میں آیا کریں،

---

[۱] معارف: افسوس کہ یہ حوالہ درست نہیں، [۲] معاہدہ ایلہ جو یحنہ بن رؤبہ سے ہوا، سیرت ابن ہشام (ص ۹۰۲) طبقات ابن سعد (جلد ا، ق ۲، ص ۳۷) ابوعبید کی کتاب الاموال (فقرہ ۵۱۳) و نیز دیگر کتابوں میں ملے گا، بحرین کا معاہدہ جو قبیلۂ عبدالقیس سے ہوا، ابن سعد (جلد ا، ق ۲، ص ۲۲ تا ۳۳) میں ہے،

قسطنطنیہ پر حملے، مسلمانوں کے ابتدائی بحری حملوں میں (مگجر ص ۵۰ تا ۶۲) استانبول پر حملوں کا ذکر نہیں نظر آیا، حالانکہ حضرت معاویہ کے عہد کے حملے کی یاد دلانے والا وہاں حضرت ابوایوبؓ کا مزار یادگار زمانہ ہے، عبدالملک بن مروان کے غالباً بیٹے مسلمہ کا حملہ بھی قابل ذکر ہے، اسکے واقعات ایک قدیم ترکی تالیف (الاقوال المسلمه فی غزوات المسلمه) میں تفصیل سے ملتے ہیں، جسکے مخطوطے علاوہ استنبول کے کتبخانوں کے کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں بھی میری نظر سے گذرے ہیں مقدسی کی جغرافیہ میں بھی قسطنطنیہ کے ذکر میں اس کا کچھ بیان ہے، اور وہ لکھتا ہے کہ قسطنطنیہ اس وقت بصرے کے برابر یا اس سے بھی کچھ چھوٹا شہر ہے، استانبول کے یوروپی حصے میں غلطہ کے پل کے قریب جو عرب جامعی ہے، وہ بھی اسی زمانہ کی یادگار بیان کی جاتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ گو اس مسجد کی تعمیر جدید حال میں ہوئی ہے لیکن اسکی طرز بنا استانبول کی باقی تمام مسجدوں سے جدا ہے، اور خالص عربی وضع کی ہے، جسمیں بیزنطینی اثر کو دخل نہیں، مسجد کے اندر ایک منظوم کتبہ بھی ہے، اسکے چند اشعار نقل کرتا ہوں جن سے ضروری تاریخ اور معلومات حاصل ہوں گے،

کیم آلتمش آلتی سنہ گچمش ایدی ہجرتدن (۶۶) ....
بو جون اولدی حضرت عبدالملک خلیفۂ دین ....

مراد ایلدی قسطنطنیہ یہ اوسفر، کہ قیلدی مسلمہ نامداری سرعسکر

....

بو دنظمی گوتش، ایدن عربانڈن الی بیک آدم تعهد ایلدیلر تا بعین ایلہ اول دم
صحابہ دندہ نیجہ کمیسہ قیلدی بیلہ سفر (بہ پچاس ہزار) جناب حقہ توکلہ اولدیلر رہبر،

....

دیار رومہ کلوب اول بوشہری فتح ایتدی ایچندہ بولدیغی مالی جیشہ بخش ایتدی

بوبُنتی مالِ غنیمتہ ایلیوب معور — کہ نامی اد لدی عرب جامعی ایدہ شہو

....

....

یدی سنہ بوشہردہ اقامت ایلدیلر — بو بارگاہِ خدادہ عبادت ایدیلر

وغیرہ وغیرہ کل چونتیس شعر ہین، جو مین نے نقل کرلئے تھے، اس کتبے اور اسکے بیانات کی تحقیق شاید کسی اور صحبت میں کرسکون، جس میں مسجد کے فرش کی پیمایش اور نقشے وغیرہ کی اپنے پاس کے مواد کی بنا سے توضیح وتشریح بھی ہوگی، اوپر کے اشعار سے معلوم ہوگا، کہ ۲۶ھ میں دعوتِ جہاد پر لبیک کہکر پچاس ہزار عربون کی فوج جسمین چند صحابہ اور تابعین بھی شریک تھے، یہان آئی، مالِ غنیمت سے اس مسجد کو تعمیر کیا، اور سات سال تک یہیں مقیم رہی،

مصنوعی آبی راستے، مسلمانوں کی ابتدائی بحری کارروائیون میں مجھے ایک اور واقعہ یاد آتا ہے، جو تاریخ طبری (۲۰۳۴) میں ہے کہ حضرت خالد بن الولیدؓ اپنے سپاہیون کو کشتیون میں سوار کرا کے عراق کی بعض نہرون سے گذرنا چاہتے تھے، ایرانیون نے ان کا پانی خالی کردیا، اور کشتیان چل نہ سکین، پھر نہرون میں پانی آنیکے مقام کی مرمت کیگئی، اور کشتیان منزلِ مقصود کو روانہ ہوئین،

امام ابو یوسف کی کتاب الخراج میں آبی راہون کی مرمت اور نگہداشت پر متعدد فصلین ہین، ان کی جانب بھی اس سلسلے میں اشارہ کیا جاسکتا ہے،

(باقی)

عربون کی جہاز رانی

یہ اون چار خطبون کا مجموعہ ہے، جو ۱۹۳۱ء میں بمبئی گورنمنٹ کے شعبہ تعلیم کی سرپرستی اور اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی کے اہتمام مین، بمبئی میں دیئے گئے تھے، یہ مطبع معارف میں ۲۰ پونڈ کے چکنے اور نفیس کاغذ پر چھپ کر ایسوسی ایشن مذکور کی طرف سے شائع کیا گیا، کتابت وطباعت بیحد دیدہ زیب ہے،

تقطیع ۲۲×۱۸/۸ ضخامت ۱۰۰ صفحات، قیمت

منیجر

اکبر کا علمی ذوق

از

جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب رفیق دارالمصنفین،

ہمایون کی زندگی جس طرح آوارہ گردی اور پریشان حالی میں گذری وہ سب کو معلوم ہے، شہزادہ اکبر کو چند سال بھی اپنے بزرگ باپ کیساتھ چین سے رہنا نصیب نہیں ہوا، اور اکثر ظالم چچا کے پنجہ میں گرفتار رہا، اور ابھی تیرہ ہی برس کا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور سلطنت کا بارِ عظیم اس کے کندھون پر رکھا گیا، اس حالت مین اسکی تعلیم کہان تک ہوسکتی، تاہم ہمایون کی علم دوستی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے لڑکے کی تعلیم سے غافل نہ رہے، چنانچہ ان ہنگامہ پرور واقعات کے ہوتے ہوئے بھی وہ اکبر کی تعلیم کی سخت نگرانی رکھتا تھا، وہ جب ۴ سال ۴ مہینے اور ۴ روز کا ہوا، تو اس نے مکتب کی رسم ادا کی، "سوانح اکبری" مصنفہ میر حیدر حسینی واسطی بلگرامی مین ہے:-

"مکتب نشستن شاہزادہ وذکر اساتذہ او، ہفتم شوال سال نہصد وپنجاہ وچار کہ از عمر شاہزادہ چہار سال وچہار ماہ وچہار روز سپر شدہ بود، در مکتب درآوردند، ملازادہ عصام الدین ابراہیم را باین خدمت اختصاص می بخشیدند، واز سوانح این کہ برائے افتتاح ساعتے خاص باتفاق اہلِ تنجیم تعیین کردہ بودند، چو ساعت مختار رسید شاہزادہ بذوق بازی درگوشہ رفت کہ باین ہمہ توجہ واہتمام جنت آشیانی ہرچند تکاپو نمودند پے نبردند، وہمانا حکمت ایزد درین باب نزد مولف آنست کہ ظاہربینان معلوم کنند، کہ حصول این امر موقوف بر عنایت فیاض حقیقی است، در بند سوم

اصحابِ علم نجوم گرفتار نباید بود، چنانچہ بادشاہ باآنکہ در ساعتِ مختار ستارہ شناسان آغاز خواندن نہ نمود، لیکن استعداد شایستہ در ادراکِ دقائق شعر و انشا کرد و خود ہم سخن را موزون می نمود"[1]

ابو الفضل رسم مکتب کی تقریب کا ذکر ان لفظوں میں کرتا ہے:-

"از ہفتم شوال این سال کہ از عمر ابد پیوند حضرت شاہنشاہی چہار سال و چہار ماہ و چہار روز شدہ بود، بآئین رسم و عادات آن آموختہ درسگاہ الٰہی و رموزدان دبستان ربانی را در مکتب بشری در آوردند و ملازادہ ملا عصام الدین ابراہیم را باین خدمت گرامی شرف اختصاص بخشیدند، اگرچہ در نظر ظاہر بینان بآموزش فرستادند، اما در دین دور بینان بارگہ ظہور آن حضرت را بپایہ والائے آموزگاری بردند، از غرائب آنکہ حضرت جہانبانی کہ از علوم آسمانی آگاہ بودند، و بدقائق نجوم می رسیدند، باتفاق ستارہ شماران باریک بین و اسطرلاب دانانِ وقت شناس ساعتِ خاص برائے افتتاح آن حضرت تعین فرمودہ بودند کہ در ادوار و اعمار بہم تواند رسید، چون ساعتِ مختار رسید آن مؤدب بآداب الٰہی بلباس بازی درآمدہ در پردہ احتجاب مختفی شدند، و بآن توجہ و اہتمام بادشاہی ہرچند تکاپوے فرمودند پے بآن حضرت نبردند، و آگاہ دلانِ روشن ضمیر ازین سر بدیع دریافتند کہ مقصود ازین آنست کہ آن خداوند خرد والا کہ مخصوص بہ تعلیم ایزدی ست بعلوم رسمی روزگار مشوب و منسوب نشود، تا در ہنگام ظہور این خدیو نکتہ شناس بر زمانیان ظاہر شود، کہ دانشورے این بادشاہ دانشوران از قسم موہبتی ست، نہ از جنس مکتبی ست باوجود این معنی بر ضمیر اقدس آن حضرت نقوش حرفی و علوم رسمی چہ از آنچہ رقم زدہ قلم اہلِ فنون شدہ و چہ از آن نکات اسرار کہ

[1] سوانح اکبری قلمی نسخہ ۱۹ برٹش میوزیم بحوالہ رسالہ جامعہ ماہ فروری ۱۹۳۹ء،

از مبدء فیاض بے توسطِ تعلیم و تعلم بر باطن انوار فائز گشتہ جلوہ ظہور دارد، و لہذا اربابِ حکمت و اصحابِ ریاضت و صاحبانِ علوم ظاہری و وارثانِ صنائع کلی و جزوی چون در بساط حضور اقدس میرسند، از ناشناسائی خود سر خجالت گریبان تامل فرو بردہ، حیران می مانند القصہ چون چند گاہ پیش آن افادات انتساب بخواندنی زبون تر از ناخواندن اشتغال داشتند اہل ظاہر بعدم کوشش آخوند حمل کردہ در تغیر آن اہتمام نمودند، و آن بیچارہ را معزول ساختہ خدمت او را بمولانا بایزید مقرر ساختند و ندانستند کہ کار فرمایان ابداع اہتمام دارند کہ ضمیر الہام آن نور پرورد ایزدی محل انعکاس نقوش مداوی و مورد انطباع سواد علوم ظاہری نگردد"[2]

ملا عصام الدین ابراہیم اور مولانا بایزید کے علاوہ اکبر کے استادوں میں مولینا پیر محمد خان نقیب خان اور مولینا میر عبد اللطیف قزوینی کے نام بھی لئے جاتے ہیں، میر عبد اللطیف قزوینی اکبر کو دیوانِ حافظ پڑھایا کرتے تھے[3]

اب سوال یہ ہے کہ ہمایوں کی کوشش اور ان مختلف استادوں کی تعلیم کہاں تک بارآور ہوئی، اکبر کے خوشامدی مورخین تو اس کو امی محض بتاتے ہیں، چنانچہ ابھی دیکھ چکے کہ ابو الفضل اسکو امی بتا کر اسکی تشریح یوں کرتا ہے، کہ پروردگار کو ثابت کرنا تھا کہ یہ برگزیدۂ الٰہی علومِ ظاہری کی تحصیل کے بغیر سارے نامتناہی فیوض کا منبع ہے، پھر لکھتا ہے، کہ اس میں حکمتِ الٰہی یہ تھی، کہ اہل عالم پر یہ روشن ہو جائے کہ اکبر کی تمام عقل و دانش خداداد یعنی الہامی ہے، کسی بندہ سے حاصل ہوئی نہیں، ابو الفضل کی یہ ساری توجیہ ظاہراً اس لئے ہے، کہ وہ اکبر کو پیغمبروں کی صف میں لا کر کھڑا کرنا چاہتا ہے،

لیکن اسکو کون مان سکتا ہے کہ ہمایون کی اتنی توجہ اور استادوں کی اتنی کوشش کے باوجود اکبر لکھنا پڑھنا کچھ جانتا ہی نہ تھا، حالانکہ اس کے لئے یکے بعد دیگرے کئی استاد مقرر ہوئے، جہاں ایک استاد

[2] اکبرنامہ جلد اول ص ۲۹۶، نولکشور، [3] منتخب التواریخ، بدایونی، جلد سوم، ص ۹۰،

کی غفلت معلوم ہوئی، وہ فوراً علٰحدہ کر دیا گیا، اور دوسرا مقرر ہوا، اسکے باوجود وہ نوشت وخواند سے اتنا نابلد رہا، کہ اپنا نام تک بھی اپنے ہاتھ سے لکھ نہیں سکتا تھا، ابوالفضل آئین اکبری میں آئین آموزش کے عنوان سے یہ لکھتا ہے کہ گیتی خداوند کے کہنے سے حرف آموزی و تعلیم کا ایک طریقہ نکالا گیا ہے، جس سے بچے برسوں کی تعلیم مہینوں میں حاصل کر لیتے ہیں، جو شخص آئین آموزش کے اتنے دقیق نکتہ کو اس آسانی سے حل کر لیتا ہے، اس کے متعلق یہ کیونکر کوئی مان سکتا ہے، کہ وہ حرف شناسی سے محروم تھا، [1]

بہرحال اکبر کے امی محض ہونے کا دعویٰ شک وشبہ سے خالی نہیں، بہرحال یہ بات تعریف کے قابل ہے کہ اس کم سوادی اور علمی کم مائگی کے باوجود اس کے دل میں علوم وفنون کا شوق اور اسکی قدردانی کا جوش اتنا تھا کہ جو کسی عالم بادشاہ کو بھی نہیں ہوا، اسکے ذاتی شوق کا یہ عالم تھا کہ فارسی کی مشہور کتابوں میں سے شاید ہی کوئی کتاب ہو جو اس کے سامنے پڑھی نہ گئی ہو، اخلاق ناصری، کیمیاے سعادت، قابوس نامہ، مکتوبات شرف منیری، گلستان، حدیقہ، مثنوی معنوی، جام جم، بوستان، شاہنامہ، خمسہ شیخ نظامی، خسرو اور مولینا جامی کے کلیات، خاقانی اور انوری کے دیوان، اور ہر قوم کی تاریخیں اسکے سامنے بلاناغہ پڑھی جاتی تھیں، پڑھنے والے ہر روز جہاں ختم کرتے تھے، وہاں اکبر اپنے ہاتھ سے نشان (شاید صفحہ یا تاریخ کا) بنا دیتا تھا، اور جب کتاب ختم ہو جاتی، تو پڑھنے والے کو جیب خاص سے انعام دیتا، [2] اسی وسیع مطالعہ کا نتیجہ تھا، کہ کوئی تاریخی سرگذشت، فقہی مسئلہ، علم وفن اور فلسفہ وحکمت کا نکتہ ایسا نہ تھا، جو اس کے علم میں نہ ہو، اور جس پر وہ خود بحث اور گفتگو نہ کر سکتا ہو، اس کے علمی مذاق کے متعلق جہانگیر تزک جہانگیری میں لکھتا ہے

---

[1] رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں ظفرنامہ کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے، اس کے سرورق پر اکبر کے دست خاص کا لکھا ہوا لفظ فروردین موجود ہے، اس کے نیچے جہانگیر کے قلم کی لکھی ہوئی یہ تصدیق ہے کہ یہ لفظ عرش آشیانی کا لکھا ہوا ہے، اور پھر اس کے نیچے شاہجہان کی تحریر ہے، (جامعہ بابت ماہ جنوری ۱۹۲۹ء)

[2] آئین اکبری ص ۶۶،

"بدقائق نظم ونثر چنان می رسیدند کہ مافوقے بران متصور نبود"، [1]

اکبر کا علمی وادبی ذوق اسقدر بلند ہو گیا تھا کہ وہ خود اشعار کہتا، اور اساتذہ کے اشعار پر اصلاح دیتا، تاریخ فرشتہ میں ہے:-

"اگرچہ خط سواد کامل نہ داشت اما گاہے شعر گفتے، ودر علم تاریخ وقوفے تمام داشت وقصص ہند نیکو می دانست"، [2]

سوانح اکبری کا مصنف لکھتا ہے:-

"......لیکن استعداد شایستہ در ادراک دقائق شعر وانشا کرد، وخود ہم سخن را موزوں می نمود"، [3]

محمد حسین آزاد دربار اکبری میں اکبر کے اشعار نقل کرتے ہوئے، لکھتے ہیں کہ

"اشعار جو اس کے نام پر کتابوں میں لکھے ہیں، اسی کے ہیں، کیونکہ اگر وہ ملک شاعری میں شہرت چاہتا، تو شاعر ہزاروں تھے، جلدیں کی جلدیں تیار کر دیتے، لیکن جب یہی چند شعر اس کے نام پر لکھے ہیں، تو اپنی ہی طبیعت کی امنگ ہے، جو کبھی کبھی موقع پر ٹپک پڑی ہے، شاید لفظ یا لفظوں میں کسی نے اصلاح بھی کر دی ہو"، [4]

اکبر کے وہ اشعار حسب ذیل ہیں،

گریہ کردم زغمت موجب خوشحالی شد ریختم خون دل از دیدہ دلم خالی شد

رباعی

میناز کہ دل خون شدہ از دوری او من یارغم زدست مہجوری او،

---

[1] تزک جہانگیری ص۱۵ نولکشور پریس، [2] تاریخ فرشتہ [3] سوانح اکبری، قلمی نسخہ ص۱۹ برٹش میوزیم [4] دربار اکبری از محمد حسین آزاد ص۱۲۶،

در آئینہ چرخ نہ قوس قزح است
عکس است نمایان شدہ از چوری او

قطعہ

دو شنبہ بکوئے می فروشان
پیمانۂ بزر خریدم،

اکنون زخمار سر گرانم،
زر دادم و درد سر خریدم

مطلع

من بنگ نمی خورم می آرید،
من چنگ نمی زنم نیارید،

حاجی بسوئے کعبہ رود از برائے حج،
یارب بود کہ کعبہ بیاید بسوئے ما،

اکبر نے بارہا اساتذہ کے اشعار پر نکتہ چینیاں بھی کین، اور نقادانِ فن نے اس کی تنقید کی داد بھی دی،
ایک دفعہ کسی نے فغانی کا یہ شعر پڑھا،

مسیحا یار و خضرش ہم رکاب و ہم عنان عیسے
فغانی آفتاب من بدین اعزاز می آید،

اکبر نے دوسرے مصرعہ میں برجستہ اصلاح دی،

فغانی شہسوار من بدین اعزاز می آید،

(شعر العجم حصہ سوم ص۶)

اکبر کو علم و فن سے جو خاص طبعی مناسبت تھی، اس کا اندازہ ان صحبتون سے بھی ہوتا ہے، جو اس کے دربار کا ایک ضروری جزو تھیں، اور جس میں ہر فن کے اربابِ کمال جمع ہو کر مختلف مسائل پر بحث و نظر کرتے تھے، اور ان میں اکبر خود برابر کا حصہ لیتا تھا، خوش قسمتی سے اس کے دربار مین ایسے اربابِ کمال جمع ہو گئے تھے، جو کسی ایک عہد میں کم نظر آتے ہیں، عام طور پر لوگ اکبری عہد کی عظمت صرف سیاسی حیثیت سے جانتے ہین، لیکن واقعہ یہ ہے، کہ یہ دور علمی حیثیت سے بھی کم درخشان نہیں، یون تو

ہندوستان کی مغل حکومت کی تاریخ مین علم پروری اور علما نوازی اس حکومت کی بنیاد کیسا تھ ہی نظر آتی ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے، کہ علوم و فنون کا عظیم الشان قصر اس کم سواد فرمانروا کے عہد میں تکمیل کو پہنچا، آیندہ سطروں میں ہم ان تراجم اور تالیفات کا ذکر کرتے ہین، جو علم و فن اور عقل و دانش کے آسمان پر ستارہ بنکر چمکین، اور جن کی روشنی سے اکبر کا عہدِ سلطنت منور تھا، سب سے پہلے ہم ان تراجم کو لیتے ہین جو اکبر کی فرمایش سے کئے گئے،

تراجم، ۱۔ مہابھارت، ۹۹۰ھ میں اکبر کی خواہش ہوئی کہ مہابھارت کا فارسی ترجمہ ہو، اس کام کیلئے پہلے ہندو پنڈتون کو جمع کیا جنھون نے مہابھارت کے نفسِ موضوع کی تشریح کی، اس کے بعد ترجمہ کا کام نقیب خان کے سپرد کیا، اور اکبر نے خود کئی متواتر راتون مین نقیب خان کو ترجمہ کی نوعیت کو سمجھایا، ملا عبد القادر بدایونی بھی جو زبانِ سنسکرت کے ایک جید عالم تھے، اس کام پر مامور ہوئے، ملا عبد القادر مہابھارت کو "مزخرفات لاطائل" بتاتے ہین، اس لئے بطیب خاطر اس کام کو انجام دینا نہیں چاہتے تھے لیکن شاہی حکم کی نافرمانی بھی نہیں کر سکتے تھے، چار مہینے کی کوششون کے بعد ۱۸ باب (ہژدہ فن) کا ترجمہ کر سکے، بقیہ حصوں کو ملا شیری، نقیب خان اور سلطان حاجی تھانیسری نے ختم کیا، شیخ فیضی نے ترجمہ کی زبان کو سلیس اور فصیح بنانے کی کوشش کی، لیکن وہ دو باب سے آگے نہ بڑھ سکا، حاجی سلطان تھانیسری نے اپنے ترجمہ پر نظرِ ثانی کرنا شروع کی، اس کام میں مشغول ہی تھا کہ سیاسی اسباب کی بنا پر اس کو دار السلطنت چھوڑنا، اور بھکر جانا پڑا، اکبر نے مہابھارت کے ترجمہ کا نام رزم نامہ رکھا، اور تمام معرکون کی تصویرین بنا کر اس میں شامل کین، ابو الفضل نے اس پر دو جزو کا خطبہ لکھا ہے[۱] جس کے آخر میں ۹۹۵ھ درج ہے، جس سے پتہ چلتا ہے، کہ کتاب پانچ سال کی مدت میں ترجمہ ہوئی، یہ ترجمہ اب تک متفرق کتبخانوں میں پایا جاتا ہے،[۲]

[۱] بدایونی جلد دوم ص۳۱۹-۳۲۱، [۲] فہرست مخطوطات انڈیا آفس و برٹش میوزیم کتب نمبر ۵۴-۳۰، بوڈلین لائبریری کتب نمبر ۱۲-۱۳۰۶

۲- رامائن:- ۹۹۵ھ میں عبد القادر بدایونی نے شاہی حکم کے بموجب رامائن کا ترجمہ کرنا شروع کیا، اور ۹۹۹ھ میں تمام کیا، ترجمہ ایک سو بیس جزو پر مشتمل تھا، کتاب کے تتمہ پر مندرجہ ذیل شعر لکھکر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا،

ما قصہ نوشتیم بہ سلطان کہ رساند
جان سوختہ کردیم بہ جانان کہ رساند

اکبر بہت محظوظ ہوا، اور اس نے خواہش ظاہر کی، کہ بدایونی اس کتاب کے آغاز میں کوئی مقدمہ بھی تحریر کردے، لیکن بدایونی نے کفر و الحاد کی کتاب پر روشنی ڈالنے سے اغماض کیا،[۱] اس کے نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، (انڈیا آفس لائبریری نمبر ۱۹۶۳، بوڈلین لائبریری نمبر

۳- سنگھاسن بتیسی:- ۹۸۲ھ (۷۵-۱۵۷۴) میں عبد القادر بدایونی نے سنسکرت کی مشہور کتاب سنگھاسن بتیسی کا فارسی ترجمہ کیا، اس کتاب میں ہندوؤں کے مشہور راجہ بکرماجیت (مالوہ) کے متعلق بتیس قصے ہیں، اکبر کا حکم پاکر بدایونی نے ایک برہمن کی مدد سے ان قصوں کو فارسی جامہ پہنانا شروع کیا، اور اختتام پر کتاب کا تاریخی نام خرد افزا رکھا، اکبر اس کتاب کو بہت پسند کرتا تھا،[۲] (بوڈلین لائبریری کتاب نمبر ۱۳۲۴)،

۴- حیوۃ الحیوان:- دمیری کی شہرۂ آفاق کتاب حیوۃ الحیوان کو شیخ مبارک نے فارسی میں ترجمہ کیا، اکبر کو نقیب خان پڑھکر سناتا، اور معنی سمجھاتا جاتا تھا، اس مشکل کو رفع کرنے کیلئے اکبر نے اس کے فارسی ترجمہ کا حکم دیا، جو شیخ مبارک کے ذریعہ سے ۹۸۳ھ میں تمام ہوا،[۳]

۵- اتھربن:- اکبر ہندوؤں کے علوم و فنون سے خاص شغف رکھتا تھا، چنانچہ ان کے مذہب کے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے ان کی مقدس کتابوں کو زبانِ فارسی میں لانا چاہتا تھا، اتھربن کا

[۱] بدایونی جلد دوم ص ۳۶۶، [۲] بدایونی، جلد دوم ص ۱۸۳، [۳] ایضاً ص ۲۰۳،

فارسی ترجمہ اسی خیال سے اس نے کرایا، اس کی فرمایش پہلے اوس نے شیخ فیضی سے کی، پھر شیخ ابراہیم سرہندی کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی، شیخ ابراہیم نے یہ خدمت گو انجام دی، مگر ترجمہ اکبر کے خاطر خواہ نہیں ہوا،[۱]

۶- انجیل:- عہدِ اکبری میں نصرانی مبلغین شاہی دربار میں رسوخ حاصل کر چکے تھے، اکبر نے دین مسیحی کی جزئیات اور تفصیلات سے واقفیت بھی حاصل کی، اور شہزادہ مراد کو اس کی تعلیم بھی دلائی اور انجیل کا فارسی ترجمہ بھی کرایا، اس کام کیلئے ابو الفضل کو مامور کیا جس نے ۹۸۶ھ میں اس کو انجام دیا،[۲] انہی اسباب پر بعض خوش فہم پادریوں کا خیال ہو کہ اکبر نے دین مسیحی قبول کر لیا تھا،

۷- تزک بابری، بابر نے اپنے حالات اور واقعات ترکی میں قلمبند کئے تھے، اور تزک بابری نام رکھا تھا، اکبر کی فرمایش سے خان خانان عبد الرحیم نے اس کا فارسی ترجمہ ۹۹۰ھ میں کیا، جسکی زبان نہایت سادہ، شستہ اور صاف ہی،

۸- لیلاوتی:- فن حساب کی ایک مشہور کتاب ہو، اس کا ترجمہ فیضی نے کیا،

۹- تاجک:- علومِ نجوم میں ایک معتبر تصنیف ہے، اکمل خان گجراتی نے اسکو فارسی کا قالب پہنایا،

۱۰- ہربنس:- کرشن جی کی زندگی کے حالات ہیں، مولینا شیری نے اس کا فارسی ترجمہ کیا،

۱۱- معجم البلدان:- شہاب الدین عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی رومی بغدادی (متوفی ۶۲۶ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب معجم البلدان کا فارسی ترجمہ ملا احمد ٹھٹھ، قاسم بیگ، شیخ منور، اور دوسرے فضلائے روزگار نے مل کر کیا،

۱۲- تاریخ کشمیر:- راج ترنگنی، مصنفہ کلہانا، سلطان زین العابدین والی کشمیر کے زمانہ میں بزبانِ سنسکرت لکھی گئی تھی، اکبر نے کشمیر کے سفر میں اس کتاب کو دیکھا، اسکی خواہش ہوئی کہ اس کا فارسی ترجمہ ہو، چنانچہ

[۱] بدایونی، جلد دوم ص ۲۱۲، [۲] ایضاً ص ۲۹،

مولینا شاہ محمد شاہ آبادی نے اس کام کو انجام دیا، ابوالفضل کا بیان ہے کہ اس میں کشمیر کے متعلق چار ہزار برس کا حال لکھا ہے[۵۱] اس کتاب کا فارسی ترجمہ چھپ گیا ہے[۵۲] اس ترجمہ کا انتخاب ملا عبد القادر بدایونی نے بھی سلیس زبان میں کیا، جو شاہی کتبخانہ میں داخل ہوا،[۵۳]

۱۲- کلیلہ و دمنہ:- قصہ کے طور پر حکمت عملی کی ایک مشہور سنسکرت کتاب ہے، ملا حسین واعظ نے اس کا فارسی ترجمہ کیا تھا، لیکن سخت الفاظ و استعارات سے یہ ترجمہ اسقدر پیچیدہ اور مشکل ہو گیا تھا، کہ اس کا سمجھنا آسان نہ تھا، اکبر نے ابوالفضل کو حکم دیا، کہ اصل سنسکرت کو سامنے رکھکر ایسی عبارت میں ترجمہ کرو کہ اس کے پند و نصائح کو سب سمجھ سکیں، ۹۹۶ھ میں ابوالفضل نے اس کام کو انجام دیا، کتاب کا نام عیار دانش رکھا گیا،[۵۴] کتاب کے اختتام پر ابوالفضل نے ایک خاتمہ لکھا ہے، جس میں بعض نادر معانی اور نکات بیان کئے ہیں، (انڈیا آفس لائبریری کتب نمبر ۲۰۰، ۷۶، بوڈلین لائبریری نمبر ۴۴۴-۴۳۸)

۱۳- نل و دمن:- یہ عشق و محبت کا ایک جگر گداز قصہ ہے، ۱۰۰۳ھ میں ملک الشعرا فیضی نے خسرو کی لیلی و مجنون کی بحر میں اس کو نظم کیا، اس میں چار ہزار دو سو اشعار ہیں، اور قابل تعجب امر ہے کہ صرف پانچ مہینے کی مدت میں یہ عظیم الشان کارنامہ انجام ہوا، اس کے کمال و خوبی کی داد ملا عبد القادر جو فیضی کو ہمیشہ سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اس طرح دیتے ہیں،

"الحق مثنوی ست کہ درین سی صد سال مثل آن بعد از میر خسرو شاید در ہند کسی دیگر نگفتہ باشد"[۵۵]

۱۵- جامع رشیدی:- ۹۹۵ھ میں عبد القادر بدایونی نے عربی کی ضخیم کتاب جامع رشیدی کا فارسی ترجمہ کیا، جو خزانہ عامرہ میں داخل ہوا،[۵۶]

[۵۱] آئین اکبری ص ۷۶، [۵۲] انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۲۱، [۵۳] بدایونی جلد دوم ص ۳۷۴، [۵۴] آئین اکبری ص ۱۱۰، [۵۵] بدایونی جلد دوم ص ۳۹۶، [۵۶] ایضاً ص ۳۶۶،

۱۶- بحر الاسمار:- ہندی افسانہ کی ایک کتاب تھی، سلطان زین العابدین نے اس کا تھوڑا سا ترجمہ کرایا تھا، نامکمل تھی، ابوالفضل کی فرمایش سے ملا عبد القادر نے اس کام کو اپنے ذمے لیا، چنانچہ ۵ مہینے میں ترجمہ کا کام ختم کیا، جو ساٹھ جزء میں تھا، اکبر نے خوش ہو کر دس ہزار ٹنکہ اور ایک گھوڑا انعام میں دیا،[۵۱]

اکبر نے نہ صرف سنسکرت کی کتابیں فارسی میں منتقل کرائیں، بلکہ عربی و فارسی کی کتابوں کو سنسکرت کا قالب پہنایا، چنانچہ زیچ مرزائی کا ترجمہ سنسکرت میں ہوا، اس کے ترجمہ میں میر فتح اللہ شیرازی، ابوالفضل، کشن جوتشی، گنگا دھر، مہیش مہانند شریک تھے،[۵۲]

تصنیفات، تاریخ الفی:- اکبر چاہتا تھا کہ اسلامی عہد کے ابتدائی دور سے اسکے زمانہ تک کی کوئی مفصل اور مکمل تاریخ ہو، اس کی خواہش کے مطابق نقیب خان، شاہ فتح اللہ، حکیم ہمام، حکیم علی، حاجی ابراہیم سرہندی، نظام الدین احمد، عبد القادر بدایونی، مولینا احمد ٹھٹھوی، جعفر بیگ اور آصف خان نے ملکر اس کام کو انجام دیا، یہ کتاب چار جلدوں میں ختم ہوئی، ملا عبد القادر بدایونی تین جلدوں کا تذکرہ کرتے ہیں، مگر انڈیا آفس لائبریری میں اس کی چار جلدیں موجود ہیں،[۵۳] تیسری جلد میں ۹۹۷ھ تک کی تاریخ ہے اور ۱۰۱۵ھ میں ختم کی گئی پروفیسر ڈاؤس کا خیال ہے کہ ان چاروں جلد کے علاوہ دو اور جلدیں ہونی چاہئیں،[۵۴] اس کتاب کی تدوین اور ترتیب میں جن مختلف اہل علم نے حصہ لیا، اس کا بیان ملا عبد القادر بدایونی اس طرح دیتے ہیں:-

"دریں سال حکم فرمودند کہ چون ہزار سال از ہجرت تمام شد، و ہمہ جا تاریخ ہجری می نویسند حالا می باید کہ تاریخی..... مشتمل تاریخہائے دیگر باشد، و نام آن را الفی نہند، و در ذکر سنوات بجائے ہجرت لفظ رحلت نویسند و از روز وفات حضرت ختمی پناہ صلوات اللہ علیہ و سلم نوشتن وقائع عالم را تا الیوم بہ ہفت کس امر گردند، چنانچہ سال اول را نقیب خان نویسد

[۵۱] عبد القادر بدایونی، جلد دوم ص ۴۰۱، [۵۲] آئین اکبری ص ۱۰۳، [۵۳] انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۱۲، [۵۴] الیٹ جلد پنجم ص ۱۵۰

و دوم را شاہ فتح اللہ ؒ بدالقیاس حکیم ہمام و حکیم علی و حاجی ابراہیم سرہندی کہ دراں ایام از

گجرات آمدہ بود و میرزا نظام الدین احمد و فقیر باز ہفتہ دیگر ہمچنیں ترتیب سی و پنج سال

مرتب شد، تجی بر سال ہفتم، کہ فقیر در احوال خلیفہ حقانی ثانی رضی اللہ عنہ نوشتہ بودم چون

بقصہ تعمیر کوفہ و بنا و ہدم قصر الامارۃ کہ بواقعی مذکور بود، و سبب تخریب آن و قضیہ نکاح

ام کلثوم بنت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہما و تعین اوقات صلوات خمس و فتح شہر نصیبین و براہ من

عقارب از آنجا شل خروسان بزرگ رسیدند، مناقشہ و مواخذہ بے حد آوردہ پیچیدند و

آصف خان ثالث کہ میرزا جعفر باشد، بد مدد پیدا کرد، بخلاف شیخ ابو الفضل و غازی خان

بدخشی کہ ہر کدام توجیہات صحیح میکردند، و چون از فقیر پرسیدند کہ اینہا چون نوشتی، گفتم ہرچہ

در کتب دیدہ ام ایراد کردہ ام، و مخترع نیستم، ہمان وقت کتاب روضۃ الاحباب و دیگر کتب

سیر از خزانہ طلبیدہ، بہ نقیب خان فرمودند کہ تحقیق نمایند و مطابق نفس الامر تصحیح نقل نمودہ،

ازان گرفت و گیر ہائی بے محل بعنایت الٰہی عزوجل رہائی یافتم، و از سال سی و ششم حکم شد کہ

من بعد ملا احمد تتہ بکتابت تاریخ الفی منفرد و مخصوص بودہ می نوشتہ باشد و این معنی بسفارش

حکیم ابو الفتح بود، او از نہایت تعصب کہ داشت، موافق اعتقاد خویش ہرچہ خواست نوشت

چنانچہ عیان ست و تا زمان چنگیز خان آن وقائع را در دو جلد تمام کرد تا آنکہ میرزا فولاد

برلاس شبے او را بہ بہانہ طلب پادشاہی از خانہ برآوردہ در کوچہ لاہور بتقریب غلوئی کہ

در مذہب داشت و از راے کہ از و یافتہ بود بقتل رسانید، و بقصاص رسید و بقیہ احوال را

حسب الامر آصف خان تا سال نہصد و نود و ہفت نوشت و در سنہ الف فقیر را در لاہور

حکم فرمودند، کہ آن تاریخ را از سر مقابلہ و تصحیح نماید و سنوات را کہ بتقدیم و تاخیر نوشتہ شدہ

است، ترتیب دہد و تا یکسال باین خدمت اشتغال داشتہ دو جلد اول را مقابلہ نمودم

جلد سوم را با آصف خان گذاشتم[51]

ابو الفضل نے آغازِ کتاب میں ایک مقدمہ لکھا[52] اس تالیف کی خوبی کو ایک انگریز مورخ

اس طرح بیان کرتا ہے :-

"مولفین اس تالیف کی تیاری میں تمام بہترین ذرائع تصرف میں لائے ہیں، کیونکہ

عربی اور فارسی کی ان تمام مشہور اور مستند تاریخ کے حوالے جن سے آج موجودہ یورپین

اہل علم فیض حاصل کر رہے ہیں، اس تالیف میں مذکور ہیں، انھون نے بڑی دقتِ نظر

کیساتھ مستند مواد کا انتخاب کیا ہے، اور ان خرافات کو جو اکثر کتابوں میں پائے جاتے

ہیں، نظر انداز کر دیا ہے"[53]

اکبر نامہ اور آئین اکبری :-

تیموریون کے دربار میں تاریخ نویسی اور واقعہ نگاری کا ایک باضابطہ محکمہ تھا، اکبر نامہ اور آئین اکبری

اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہیں، اکبر نامہ ابو الفضل کی محنت و کاوش اور انشار کا شاہکار ہے، یہ دو حصوں

پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں بابر و ہمایون کے حالات ہیں، دوسری جلد میں اکبری حکومت کے مفصل حالات

ہیں، آئین اکبری کو اسکی تیسری جلد سمجھنا چاہئے، یہ اس زمانہ کی تمدنی، اقتصادی، علمی، اور معاشرتی معلومات

اور ملکی اور جنگی تنظیم سے واقفیت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اکبر نامہ کے استناد کو بعض مورخین

اسلئے مشکوک نظرون سے دیکھتے ہین، کہ یہ اکبر کے ایک درباری مورخ کی نگارش و تحریر ہے جسمیں حد سے

زیادہ خوشامد کا پہلو ملحوظ رکھا گیا ہے،

الفنسٹن لکھتا ہے کہ "اکبر نامہ کی سند یورپ میں وقعت کی نظر سے دیکھی نہیں جاتی ... کیونکہ ابو الفضل گو وہ

ایک وسیع النظر اور غیر معمولی ذہن کا آدمی ہے پھر بھی وہ ایک وفادار درباری ہے، جو اپنے آقا کی نیکیون

[51] بدایونی جلد دوم ص ۳۱۹-۳۲۰، [52] آئین اکبری ص ۱، [53] الیٹ جلد پنجم ص ۱۵۶، انڈیا آفس کیٹلاگ نمبر ۱۱۰-۱۱۱

کو ہمیشہ اچھالتا ہے، اس کی برائیوں سے چشم پوشی کرتا ہے، اور اس کے اور اسکے ہواخواہوں کے رتبہ
کو ہمیشہ بڑھانے کی کوشش کرتا ہے، اس کے سنہ و تاریخ اور واقعات کے عمومی بیانات قابل قدر ہیں لیکن
اس کی کتاب کو پڑھتے وقت اس کی علانیہ طرفداری سے اپنے کو اتنا محفوظ رکھنا نہیں پڑتا، جتنا کہ وہ
اپنے ممدوحین کی مدح سرائی کرکے ناظرین کی ہمدردی خواہ مخواہ حاصل کرنا چاہتا ہے، اور پھر بعض مرتبہ
بے جا اور غیر دیانتدارانہ طریقہ پر ایک قصہ کہکر کسی سے بدظن کر دیتا ہے، حالانکہ وہ شخص بالکل معصوم
اور قابلِ معافی ہوتا ہے، اس کے بیانات گنجلک، غیر موثر، عامیانہ خیالات اور دعائیہ فقروں سے
لبریز، اور عموماً اپنے ممدوح کی مدح سرائی پر ختم ہوتے ہیں، وہ اکثر واقعات کو نظر انداز کر دیتا ہے یا اپنے
مخصوص انداز سے غلط پیرایہ میں بیان کر جاتا ہے، اور تعریف و توصیف، فتح و کامرانی کے واقعات کا
تذکرہ اس غلو سے کرتا ہے، کہ ناظرین نہ صرف کتاب سے بلکہ ممدوح سے بھی مکدر خاطر ہو جاتے ہیں،
اس بے معنی تعریف و توصیف کے ڈھیر میں اکبر کے حقیقی اوصاف گم ہو جاتے ہیں، اور پھر دوسرے مورخوں
سے اسکے افعال کی نوعیت کا اسکی مشکلات اور ان ذرائع کا جن سے وہ ان مشکلات کو حل کرتا ہے،
اصلی حال معلوم ہوتا ہے، کتاب کا خوشامدانہ انداز ایسے آدمی نے لکھا، جو اکبر کی طبیعت سے خوب
اچھی طرح واقف تھا اور پھر اس کے معائنہ کیلئے پیش کی) اس (اکبر) کی نخوت و کبریائی کا پتہ دیتا ہے، جو
حقیقۃً اسکی پسندیدہ سیرت کا تنہا داغ ہے"

مگر اس کا جواب ایک دوسرا یورپین مورخین اسطرح دیتا ہے، "ابوالفضل پر یورپین مصنفین خوشامد
پرستی کا الزام عائد کرتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہ اس نے قصداً بعض واقعات کو چھپایا ہے، جس سے
اس کے آقا کی شہرت کو کافی نقصان پہنچا ہے، مگر اکبر نامہ کا مطالعہ کیا جائے تو الزام بالکل بے بنیاد
معلوم ہوتا ہے، اگر اسکی تصنیف کا ہم مشرق کی دوسری تاریخوں سے مقابلہ کریں، تو پتہ چلے گا، کہ وہ تعریف
کرتا ہے، لیکن کم اور خاص انداز اور کمال سے جو کوئی دوسرا ہندوستانی مورخ نہیں کر سکتا ہے، ملکی

مورخون میں سے کوئی اس پر خوشامد کا الزام عائد نہیں کرتا، اور اگر ہم یہ ذہن نشین کرلیں، کہ مشرق
کی تمام کتابیں حکمراں کی رائے سے متفق اور متبع ہونا ضروری قرار دیتی ہیں، خواہ وہ اچھی ہو، یا بری
تو پھر ابوالفضل قابلِ معافی ہے، وہ اس لئے تعریف کرتا ہے، کہ اس نے حقیقۃً ایک سچا ہیرو پالیا ہے[1]
اسی بات کو محمد حسین آزاد اپنے مخصوص انداز میں اس طرح لکھتے ہیں "جن لوگوں کے دماغوں
میں نئی روشنی سے اجالا ہو گیا ہے، وہ اس کی تصنیفات کو پڑھکر یہ لکھتے ہیں، کہ ابوالفضل ایشیائی
انشا پردازوں میں سب سے بڑا مبالغہ پرداز مصنف تھا، اس نے اکبر نامہ اور آئین اکبری کے لکھنے میں فارسی
کی پرانی لیاقت کو تازہ کیا ہے، اس نے خوش بیانی اور یاوہ سرائی کے پردہ میں اکبر کی خوبیاں
دکھائی ہیں، اور عیب اس طرح چھپائے ہیں، کہ جس کے پڑھنے سے ممدوح اور مداح دونوں سے
نفرت ہوتی ہے، اور دونوں کی ذات وصفات پر بٹہ لگتا ہے، البتہ بڑا علامہ، عاقل، دانا، مدبر تھا،
دنیا کے کاموں کے لئے جیسی عقل کی ضرورت ہے، وہ اس میں ضرور تھی، آزاد کہتا ہے کہ جو کچھ الفاظ
و عبارت کے پڑھنے والوں نے کہا یہ بھی ہے کہ لیکن وہ مجبور تھا، کیونکہ فارسی کا ڈھنگ چھ سو برس
سے یہی چلا آتا تھا، اس کی ایجادوں نے بہت اصلاح کی ہے، اور خرابیوں کو سنبھالا ہے، باوجود
اس کے جو زبان کے ماہر ہیں، اور رموز سخن کے تاڑنے والے ہیں، اور کلام کے انداز و ادا ئی
کو جانتے اور پہچانتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ کہا اور جس پیرایہ میں کہا، کوئی بات اٹھا نہیں رکھی
اصل حقیقت کو لکھ دیا ہے، اور انشا پردازی کا آئینہ اوپر رکھدیا ہے کیہ اوسی کا کام تھا، یہ بھی اسی کا کام
تھا کہ سب کچھ کہہ دیا، اور جن سے نہ کہنا تھا وہ کچھ بھی نہ سمجھے، اور ابتک بھی نہیں سمجھتے، خوشامد کی بات
کو ہم نہیں مانتے، ہر زبان کی تاریخیں موجود ہیں، کون سا مورخ ہے کہ خوشامد شاہ اور حمایت قوم سے
پاک ہو، وہ اپنے آقا کا ایک نمک حلال وفادار نوکر تھا، اسی کے انصاف سے اسکے خاندان کی عزت

[1] بلاخ من تمہید آئین اکبری،

آبرو بخشی، اسی کی قدر دانی سے رُکن سلطنت ہو گیا، اسی کی پرورش سے تصنیفات ہوئیں، اور انھوں نے بلکہ خود اُس نے صد ہا سال عمر پائی، خوشامد کیا چیز ہے، ؟ اس کا دل تو عبادت کرتا ہوگا، اور جان لوٹ لوٹ کر خاک راہ ہوئی جاتی ہوگی، اُس نے بہت سا ادب ظاہر کیا، شکریہ ادا کیا، لوگوں نے خوشامد نام رکھا،

صاحبِ مآثر الامرا ابوالفضل کے انشاء اور اکبر نامہ کے متعلق لکھتا ہے،:۔

قطع نظر از ہمہ چیز شیخ در فن انشا طرفہ سحرے بکار بردہ، باآنکہ از تکلفات منشیانہ و تصلفات مترسلانہ عاری است امّا متانت سخن و اتخوان بندی کلمات و نشستِ مفردات و تراکیب سنجہ و فقرات بیگانہ قسمے است کہ دیگرے را تتبع بدشواری میسر است و شاہد این مدعا تاریخ اکبری است، و چون التزام نمودہ (کہ بیشتر الفاظ فارسی باشد) لہذا گفتہ اند کہ شیخ خمسہ نظامی را نثر کردہ، و از کمال مہارت اوست، درین فن کہ مطالب بسیارے بدیہی البطلان را بنا بر خداوند نعمائی، در بادی الرائے بہ تمہیدات چند تحریر نمودہ کہ بے امعان نظر پے بمقصود نتوان برد،" [۲]

ان تاریخوں کے علاوہ نثر و نظم کی بہت سی کتابیں اکبر کی فرمایش پر لکھی گئیں، ملک الشعرا ابوالفیض فیضی فیاضی نے نظامی کے خمسہ کی زمین میں پانچ مثنویاں لکھیں، خسرو شیریں کے مقابل میں سلیمان و بلقیس، اور لیلیٰ مجنوں کے طرز پر نل دمن لکھی، ان دونوں میں علحدہ علحدہ چار ہزار اشعار تھے، ہفت پیکر کے وزن پر ہفت کشور اور سکندر نامہ کے جواب میں اکبر نامہ لکھی، جو پانچ ہزار پر مشتمل تھیں، مخزن اسرار کے مقابلہ میں مرکز ادوار لکھی، جس میں تین ہزار ابیات تھیں [۳]،

فیضی نے کلام مجید کی ایک بے نقط تفسیر سواطع الالہام بھی لکھی، جس کے صلہ میں اکبر نے دس ہزار روپیہ دیئے، اس نے اخلاقیات پر ایک بے نقط کتاب سوارد الکلام بھی تالیف کی تھی [۴]،

(باقی)

[۱] دربار اکبری، مطبع رفاہ عام لاہور، ص۵۔ [۲] مآثر الامرا جلد دوم ص۶۲۲۔ [۳] ایضاً ص۵۸۰۔ [۴] ایضاً ص۵۸۸،

دیوان شمس تبریز اور مولانا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۵)

عطار اور سنائی کا ذکر، مولینا روم حضرت عطار، اور سنائی کے پیام اور کلام دونوں سے متاثر ہوئے ہیں، اسلئے مختلف مقامات پر ان کی مدح فرمائی ہے، جو بجائے خود اس امر کی ایک دلیل ہے کہ یہ اشعار مولینا کے ہیں، اور اس سے دیوان شمس تبریز کا، مولینا کا کلام ہونا ثابت ہوتا ہے،

وا ہمچنین بازفرمودہ است،

دیوان	مثنوی سلطان ولد
حلاج اشارت گو از خلق بدید آمد	حلاج اشارت گو از خلق بدار آمد،
از تندی اسرارم حلاج زند دارم [۱]	از تندی اسرارم حلاج زند دارم
(ک ۳۰۶)	(یہ شعر سپہ سالار میں ہے ص ۴۲)

ہم نے اوپر مثنوی سلطان ولد سے منتخبہ اشعار اور ان کے مقابل دیوان شمس تبریز سے وہی اشعار منتخب کرکے درج کر دیئے ہیں، یہ ایک برہان ساطع ہے، جس سے ہم دیوان شمس کو مولینا روم کا کلام ماننے پر مجبور ہیں،

فیہ مافیہ کی شہادت، فیہ مافیہ خود مولینا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات عالیہ کے مجموعہ کا نام ہے، اس کتاب کا صرف نام ہی نام سنتے تھے، مولینا کے عہد سے اب تک کبھی شائع

[۱] یہ شعر سپہ سالار میں بھی ہے، منصور اشارت گو از خلق بدار آمد۔ از تندی اسرارم حلاج زند دارم ص۳۶

نہ ہوئی تھی، ہان حیدر آباد کو یہ فخر حاصل ہے، کہ کتب خانہ آصفیہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے،

رام پور کے کتبخانہ میں اس کا ایک نسخہ مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی مدیر صدق کے ہاتھ لگا، انھون نے ہندوستان اور قسطنطنیہ کے کتبخانون کے نسخون سے مقابلہ کرنے کے بعد تذکرہ اور تبصرہ کیساتھ پہلی مرتبہ اسے چھپوا کر شائع کیا ہے، اب اس نعمتِ غیر مترقبہ سے ہر اہلِ دل استفادہ کر سکتا ہے، ع :-

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لئے

مولینائے روم نے اس میں بھی بعض جگہ اپنے اشعار درج کئے ہین، ان میں ایسے بھی ہین، جو دیوان شمس تبریز میں ملتے ہین، جس سے ہمارے دعوی کی تائید ہوتی ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینا کے کلام کا مجموعہ ہو،

مولانا کی ایک مشہور اور مخصوص غزل کا ایک مصرع ہے،

فیہ مافیہ	دیوان شمس تبریز
مفروش خویش ارزان کہ توبس گرانبہائی	مفروش خویش ارزان کہ توبس گرانبہائی
(ص ۱۸)	(ک ۹۰۶)

فیہ مافیہ	دیوان شمس تبریز،
جز و درویشند جملہ نیک و بد، [1]	جز و درویشند جملہ نیک و بد

[1] یہ شعر مناقب العارفین میں بھی ہو (قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن) ممکن ہو کہ بعض لوگ یہ سوال کرین کہ صرف فیہ مافیہ میں ہونے سے اس کا کسطرح علم ہوا کہ یہ اشعار خاص مولینا ہی کے ہین، لیکن جب یہ شعر مناقب میں تصریح کیساتھ پایا جاتا ہو اور دیوان میں بھی ہو تو ثابت ہوتا ہو کہ یہ اشعار مولینا ہی کے ہین،

ورنباشد این چنین درویش نیست	ہر کہ نبود او چنین درویش نیست
(ص ۲۴۰) یہ شعر مناقب میں بھی ہے،	(ک ۱۵۹)
فرشتہ است بعلم و بہیمہ است بجہل	فرشتہ است بعلم و بہیمہ است بجہل
میان این دو منازع بماند مردم زاد	میانِ آن دو منازع بماند مردم زاد
(ص ۸۵)	(ک ۳۲۱)

گویا یہ خود مولینا کی شہادت ہے، متاخرین، متقدمین، ہمعصر اور ہمدم و ہم صحبت اصحاب کرام کی شہادت کے بعد ہم نے خود مولینا کی شہادت بھی نقل کر دی ہے، ان اشعار سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوا کہ دیوان شمس تبریز مولینا کے نتائجِ افکار میں سے ہو، فیہ مافیہ کی شہادت قوی تر ہے، اس سے ہماری دلیل بھی قوی ترین ہوجاتی ہو،

ایک خاص اور اہم شہادت

کتبخانہ آصفیہ میں مولانائے روم کے کلام کا ایک گرانقدر مجموعہ "غزلیات مولینائے روم و فرزند مولینائے روم کے نام سے ہو جس مین ان دونون کی غزلون کا یہ ایک نہایت بیش قیمت انتخاب ہو، یہ نسخہ قلمی ہو، خط نہایت خوبصورت اور پختہ ہے، ایرانی طرز کی ایک نہایت نفیس سوختہ چرمی جلد ہو، لیکن شکستہ، جلد کے درمیان میں نہایت پاکیزہ خط میں درود شریف لکھا ہوا ہو، حاشیوں پر کلمات تسبیح درج ہیں، کتاب پر نہ نام درج ہے، اور نہ سنہ کتابت، ۱۳۳۱ھ میں غالبًا عابد نواز جنگ سے کتبخانہ آصفیہ کے لئے خریدی گئی ہے، [1]

قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے، کہ یہ نسخہ کسقدر قدیم ہے، اگر اس کا مثنوی سلطان ولد کے مذکورۂ بالا قدیم قلمی نسخہ سے جسکی کتابت ان کی وفات [2] کے چھ سال بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی ہو مقابلہ کیا جائے

[1] کتبخانہ آصفیہ ... دواوین فارسی نمبر ۳۴۳ [illegible] سلطان ولد کا سنہ وفات ۷۱۲ھ ہو آخر شب روز شنبہ دہم ماہ رجب سنہ اثنی عشر وسبعمائۃ در پردہ نور مستور شد اور اختتام کتابت کی تاریخ ۷۱۸ھ ہو، جو خاتمہ کتاب پر بقلم کاتب درج ہے،

اور مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے تو غزلیات کا یہ نسخہ مثنوی رباب نامہ کے اس نسخہ سے قریب الزمانہ معلوم ہوتا ہے، باوجود نہایت خوشخط اور صاف ہونے کے مثنوی کے اس نسخہ سے زیادہ اس کا کاغذ گل گیا ہے، اس کا شیرازہ بھی بکھرا ہوا ہے،

اس میں مولینا روم اور سلطان ولد (فرزند مولانا روم) دونوں کی غزلیات ہیں لیکن مخلوط ترتیب ایسی نہیں کہ پہلے کسی کی غزلیں ہوں، اور بعدہٗ دوسرے کی،

غزلیات میں بھی ردیف وغیرہ کے اعتبار سے کوئی خاص ترتیب نہیں، اکثر باپ اور بیٹے کی ہم قافیہ اور ہم ردیف غزلیں ساتھ ساتھ درج ہیں، جیسے کسی کو دونوں شعرا کے کلام کا موازنہ اور مقابلہ مقصود ہو،

لوالدہ۔	اے تو زخوبی خویش آئینہ را مشتری	سوختہ باد آئینہ ما تو دران ننگری
و لدہ۔	اے ہمہ خوبان ترا از دل و جان مشتری	تا سوی ایشان ھما یکنفسی ننگری
لوالدہ۔	قرۃ العینی منی اے جان بلے،	ماہ بدری کرد ما گرداں بلے،
و لدہ۔	ولد این بوزن گفت مولانا بو،	قرۃ العینی منی اے جان بلے،

اس آخری شعر سے ظاہر ہوتا ہے، سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ غزلیات مولانائے روم کی غزلیات پر لکھی ہیں، اور اس انتخاب میں تقریباً ساری غزلیات اسی نوعیت کی ہیں، غزلیات کا انتخاب مرتب کے حسن ذوق اور سخن شناسی کی دلیل ہے، مولانا کی ہر غزل پر "لوالدہ" اور سلطان ولد کی غزل پر لولدہ لکھا ہوا ہے،

خاص بات اور قابلِ غور و فکر امر یہ ہے کہ ہر غزل سے پہلے "لوالدہ" اور "لولدہ" کے الفاظ کے بعد مرتب مذکور احتراماً خاص خاص دعائیہ جملے لکھتا ہے جس سے حضرات شعرا کیسا تھ اسکی دلی عقیدت کے علاوہ اسکا کمال علم و فضل بھی ظاہر ہوتا ہے، مثلاً ملاحظہ ہو،

لولدہ	اصلح اللہ شانہٗ،	لوالدہ غفر اللہ ذنوبہ،
لولدہ	عفی اللہ عنہ،	لوالدہ اعز اللہ نصرہ،
لولدہ	اجل اللہ قدرہ،	لوالدہ اجل اللہ قدرہ،
لولدہ	طیب اللہ تربتہٗ،	لوالدہ طاب اللہ مرقدہٗ،
لولدہ	نور اللہ مضجعہٗ	لوالدہ طاب اللہ تربتہٗ،
		لوالدہ رحمۃ اللہ علیہ،

یہ مختلف فقرے اس طرح استعمال کیے گئے ہیں، کہ بعض پر یہ گمان ہوتا ہے، کہ ممدوح کے زمانہ حیات میں لکھے گئے ہیں، جیسے "اصلح اللہ شانہ"، "اعز اللہ نصرہ" اور بعض سے ظاہر ہے کہ موت کے بعد لکھے گئے ہیں، جیسے "طاب اللہ مرقدہ"، "نور اللہ مضجعہ"، مولینائے روم اور ان کے خلفائے محترم کے معتقد اور مخصوص تذکرہ نویس فریدون سپہ سالار اور شمس الدین افلاکی صاحب مناقب العارفین ہیں، انکے بعد تذکرہ نویسوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، لیکن اور تذکروں میں تو یہ بات نہیں ہے، ان دونوں حضرات نے القاب و آداب اور ایسے دعائیہ جملے اپنی تحریروں میں استعمال کیے ہیں، لیکن مناقب میں افلاکی کا یہ رنگ نہیں، البتہ سپہ سالار کی القاب نویسی میں دعائیہ جملوں کے لکھنے کا رنگ قریب قریب بالکل بالکلیہ اس کے مشابہ ہے، عربیت، ترکیب اور بندش بھی ایسی ہی جس سے اسکے جوشِ عقیدت اور قدرت زبان کا پتہ چلتا ہے، سپہ سالار میں بھی یہی بات آپ پائیں گے، مثالیں ملاحظہ ہوں،

مولینا کے نام کیسا تھ "قال الشیخ قدس اللہ روحہٗ (سپہ سالار ص ۳) عظم اللہ ذکرہم (سپہ سالار ص ۱۴) در ذکر حضرت خداوندگار قدس اللہ سرہٗ العزیز (سپہ سالار ص ۱۳) قدسنا اللہ سرہ العزیز (سپہ سالار ص ۱۵) بیض اللہ وجہہ العزیز (سپہ سالار ص ۲۲) عظم اللہ جلال قدرہ (سپہ سالار ص ۲۲) بیض اللہ تعالیٰ وجہہ (سپہ سالار ص ۲۶) شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ"، سلطان سعید رکن الدین نور اللہ قبرہ، حضرت شمس عظم اللہ

ذکرہ (سپہ سالار ص ۶۲) عظم اللہ جلال قدرہ ص ۶۳، عزائمہ صلاح الدین بیض اللہ غرتہ (سپہ سالار ۷۸)

سلطان ولد۔ رضی اللہ عنہ، وعن اسلافہ ص ۷۸، قدسنا اللہ بسرہ (سپہ سالار ص ۷۷)

بیض اللہ غرتہ (سپہ سالار ص ۷۹)

سلطان شمس الدین عابد۔ اسبغ اللہ ظلہ، چلپی عارف نور اللہ ضریحہ،

القاب وآداب کا تو یہ رنگ پیش نظر ہوگیا ہے، مشابہت و مشارکت کا اندازہ ہوگیا، جیسے اسمیں بعض القاب کی تکرار ہوتی ہے، اس منتخبہ نسخہ میں بھی القاب کی تکرار کا یہی عالم ہے، سپہ سالار میں بعض القاب مختلف حضرات کیلئے مشترک طور پر استعمال ہوئے ہین، تو غزلیات کے اس انتخاب میں بھی مولینا اور سلطان ولد کے لئے بعض القاب مشترک طور پر استعمال ہوئے ہین، مثلاً اجل اللہ قدرہ، طاب اللہ تربتہ، یہ صرف ہمارا ایک گمان اور قیاس ہے، (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،)

کیا اس نسخہ کی غزلیات منتخبہ مولانا ہی کی ہین

ہمنے اوپر بیان کیا ہے کہ نسخہ پر کتاب کا کوئی نام درج نہیں ہے، فہرست کتبخانہ میں اس کا نام "غزلیات مولینا روم اور فرزند مولینا روم" ہے، ابتدا اور آخر کے چند صفحات غائب ہیں، البتہ صرف ہر غزل کے سرے پر الفاظ "لوالدہ" اور "لولدہ" درج ہین، ممکن ہے کوئی یہ سوال کرے کہ اس کا کیا ثبوت ہی کہ یہ والد اور ولد سے مراد مولینا روم اور سلطان ولد ہیں، اور یہ انہی کے کلام بلاغت نظام کا انتخاب ہی،

اس کا جواب یہ ہے کہ،

تقریباً سلطان ولد کی ساری غزلیات میں جن کے آغاز میں "لولدہ" لکھا ہوا ہے، انکا تخلص موجود ہے، جیسے:-

مغز مغزی اے ولد ہم جان جان مرد خرد ‌ ‌ ‌ علما و عقلها در پیش حسنت چون ہبیر

(ورق ۸۸[1] سے پہلے کا صفحہ،)

ہین ولد پیدا مکن اسرار عشق شاہ را ‌ ‌ ‌ غیرت حق آتش است افزون مکن خاموش بیس

اے ولد چون راہ معنی را گزیدی لاجرم ‌ ‌ ‌ ہم تو شاہی ہم سپاہی ہم امانی ہم امین

(ورق ۹۵ سے پہلے کا صفحہ،)

لب ببند از ین گفتن بس کن ز گہر سفتن ‌ ‌ ‌ یکبارہ ولد ہر دم اسرار مکن پیدا،

(ورق ۱۰۵ سے پہلے کا صفحہ)

گشت ولد بجان زان لف و حلقہ و صد حلقہ ‌ ‌ ‌ در حلقہ جان او مہر تو نگیں بادا،

(ورق ۱۰۹ سے پہلے کا صفحہ)

جب سلطان ولد کی غزلیات واقعی انہی کی ہین، اور انتخاب کنندہ کا اندراج صحیح ہے، تو اس محل پر اس امر مین شک و شبہہ کی کوئی وجہ نہیں کہ انھون نے جن غزلیات پر "لوالدہ" لکھا ہے وہ مولینائے روم ہی کی ہیں، اگر وہ صحیح ہے تو یہ بھی درست ہے،

ایک بدیہی ثبوت،

اس سے قوی تر ایک اور ثبوت بھی ہمارے یہان موجود ہے، وہ یہ ہے، کہ بعض غزلیات کے چند اشعار جو اس گلدستہ انتخاب میں ہیں، تصریح اور توضیح کے ساتھ سپہ سالار میں بھی پائے جاتے ہین، جو مولانائے معنوی کا معتبر ترین تذکرہ ہے، بعض اشعار سپہ سالار اور مناقب العارفین دونون میں پائے جاتے ہین، یہ اس امر کا بدیہی ثبوت ہے، کہ نسخہ مذکور کی منتخبہ غزلیات بلاشبہہ مولانا ہی کی ہین،

یہ تو دعوی ہوا دلیل ملاحظہ ہو،

غزلیات مولینا روم و فرزند مولینا روم،	سپہ سالار	مناقب العارفین
سر قدم کردیم آخر سوئے جیحون تاختیم	سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم	سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم

[1] شمار اس نسخہ میں بھی اوراق کا ہے، صفحات کا نہیں،

غزلیات مولینا روم فرزند مولینا روم	سپہ سالار	مناقب العارفین
عالمے برہم زدیم وچست بیرون تاختیم	عالمے برہم زدیم وچست بیرون تاختیم	عالمے برہم زدیم وچست بیرون تاختیم
چون براق عشق عرشی بود زیران ما	چون براق عشق عرشی بود زیران ما	چون براق عشق عرشی بود زیران ما
گنبدی کردیم سوئے چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم سوے چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم سوئے چرخ گردون تاختیم
عالم چون امثالِ ذرہ ہا برہم زدیم	عالم چون راامثالِ ذرہ ہا برہم زدیم	عالم چون راامثال ذرہ ہا برہم زدیم
تا بپیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم	تا بپیش تخت آں سلطان بیچون تاختیم	تا بپیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم

با روے تو ز سبزہ و گلزار فارغیم ۲ با روئے تو ز سبزہ و گلزار فارغیم

با چشم تو ز بادہ و خمار فارغیم   با چشم تو ز بادہ و خمار فارغیم

(یہان اوراق[1] کا نمبر نہیں ہے)   (سپہ سالار)

سالکان راہ را محرم شدم ۲ سالکان راہ را محرم شدم

ساکنان قدس را ہمدم شدم   ساکنان قدس را ہمدم شدم

(اوراق کا نمبر نہیں)   (ص ۲۵)

اس قطعی دلیل کے علاوہ اس امر کی ایک اور داخلی شہادت بھی موجود ہے، اسی نسخہ کی ایک غزل میں مولانا نے سلطان ولد سے خطاب کیا ہے، فرماتے ہین،

ہمچو کہ مردان ولد جوئی رضائے احد   ہم بطلب زد مدد عمر بپایان رسید

سلطان ولد اسی قافیہ و ردیف کی غزل میں جو انتخاب میں اسی کے بعد درج ہے، اس کا ذکر فرماتے ہیں،

[1] کتب خانہ کے منتظمین نے کتاب کے اوراق شمار کئے ہین، چند اوراق کے بعد انھون نے کتاب کو بلا شمار چھوڑ دیا ہے،

والد گفت اے ولد بہتر آن صدر   کہ رسدت جان من عمر چو پایان رسید

(ورق ۹۰ سے پہلے کا صفحہ)

ایک اور شعر میں مولینا نے سلطان ولد کو مخاطب فرمایا ہے،

گوہر عشقت کجا یابد ولد،   چون وراے ہفت دریا آمدی

اس ثبوت کے بعد سارا شک یقین سے بدل گیا کہ اس انتخاب میں جو غزلیات مولینا کی طرف منسوب ہیں، وہ انھی کی ہین، اب ہم تحقیق و مقابلہ سے ظاہر کریں گے کہ یہ غزلیات دیوان شمس تبریز میں بھی پائی جاتی ہین، جس سے ہمارا مدعا قطعی طور پر ثابت ہو جائے گا کہ دیوان شمس تبریز مولانا روم کا کلام ہے، مقابلہ پیش نظر ہے، طوالت کے خوف سے ہم نے اکثر غزل کا صرف مطلع اور مقطع نقل کیا ہے، ورنہ ان غزلیات کے اکثر اشعار انتخاب مین شامل ہین،

غزلیات مولینا روم و فرزند مولانا   دیوان شمس تبریز

لوالدہٗ قدس اللہ وجہہ،   ۱

اندر آای اصل اصل شادمانی شاد باش   اندر آای اصل اصل شادمانی شاد باش

اندر آای آب آب زندگانی شاد باش   اندر آای آب آب زندگانی شاد باش

گوہر آدم بعالم شمس تبریزی توئی   گوہر آدم بعالم شمس تبریزی توئی

از تو حیران شدہ بحر معانی شاد باش   از تو حیران شدہ بحر معانی شاد باش

(ورق ۹۰ سے پہلے کا صفحہ)   (کلیات شمس تبریز لکھنؤ ص ۴۱۳)

مقطع میں شمس تبریز کا نام اور تعریف قابل غور ہے،

لوالدہ طیب اللہ مرقدہ،

سر قدم کردیم وآخر سوئے بیچون تاختیم ۲ سر قدم کردیم وآخر سوئے بیچون تاختیم

عالمے برہم زدیم و جست بیرون تاختیم
سوئے شمع شمس تبریزی بہ بیشہ شیر جان
بودہ پروانہ نہ پنداری کہ اکنون تاختیم

(ورق ۶)

عالمے برہم زدیم و جست بیرون تاختیم
سوئے شمع شمس تبریزی بہ بیشہ شیر جان
بودہ پروانہ نہ پنداری کہ اکنون تاختیم

(ک ۵۲۹ و ص ۲۱۰)

لوالدہ عفی اللہ عنہ ۳

اے تو جانِ صد گلستان از من پنہان شدی
اے تو جان جان جانم چون زمین پنہان شدی
شمس تبریزی بجاہی رفتہ چو یوسفی،
اے تو آبِ زندگی چون از من پنہان شدی

(ورق ۱۳)

اے تو جانِ صد گلستان از من پنہان شدی
ای تو جان جان جانم چون زمن پنہان شدی
شمس تبریزی بجاہی رفتہ چون یوسفی
اے تو آبِ زندگی چون از من پنہان شدی

(ک ردیف ی)

لوالدہ طاب اللہ مرقدہٗ ۴

آمدہ شہر صیام سنجق سلطان رسید
لشکر انوار جان کوری شیطان رسید

(ورق ۸۰)

آمدہ ماہ صیام سنجق سلطان رسید
دست برار از طعام مائدہ جان رسید

(ک ۲۹۰)

لوالدہ نور اللہ مرقدہ ۵

صبحدمی ہمچو صبح پردۂ ظلمت درید
نیم شبے ناگہان صبح قیامت دمید
چون کہ تبرز چشم شمس حقم را پدید،
گفت حقش پر شوی گفت بلی من مرید

(ورق ۵۰)

صبحدمی ہمچو صبح پردۂ ظلمت درید،
نیم شبے ناگہان صبح قیامت دمید
چون کہ تبریز چشم شمس حقم را پدید
گفت حقش پر شدی گفت بلی من مزید

(ک ۳۰۱)

لوالدہ عفی اللہ عنہ ۶

شاہ کشادست و دیدہ شہ بین کجا کراست
بادہ گلگون شہ بر گل و نسرین چراست
خسرو جان شمس دین مفخر تبریزیان
در دو جہان ہمچو او شاہ خوش آئین کراست

(ورق ۵۹ سے پہلے کا صفحہ)

شاہ کشادست او دیدہ شہ بین کراست
بادہ گلگون شہ بر گل و نسرین کراست
خسرو جان شمس دیں مفخر تبریزیان
در دو جہان ہمچو او شدہ خوش آئین کراست

(دیوان شمس تبریز ص ۹۳)

لوالدہ سر اللہ عیوبہ ۷

برچرخ سحرگاہ یکی ماہ عیان شد
از چرخ فرود آمد و در ما نگران شد
بی دولت مخدومی شمس الحق تبریز
نے ماہ توان دیدن و نے بحر توان شد

(ورق کا شمار نہیں)

برچرخ سحرگاہ یکی ماہ عیان شد
از چرخ فرود آمد و در مان نگران شد
بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز
نے ماہ توان دیدن و نے بحر توان شد

(دیوان شمس تبریز ص ۸۳)

لوالدہ اصلح اللہ شانہ ۸

اے بہار سبز و ترشاد آمدی
وے نگار سیمبر شاد آمدی
شمس تبریزی کہ عالم از رخت،
ہست مست و بے خبر شاد آمدی

(ورق بلا شمار ہے)

اے بہار سبز و ترشاد آمدی
وے نگار سیمبر شاد آمدی
شمس تبریزی کہ عالم از رخت،
ہست مست و بے خبر شاد آمدی

(دیوان شمس تبریز ص ۲۹۲)

لوالدہ غفر اللہ ذنوبہ

سالکانِ راہ را ہمدم شدم	سالکانِ راہ را محرم شدم
ساکنانِ قدس را ہمدم شدم	ساکنانِ قدس را ہمدم شدم
عید اکبر شمس تبریزی بود	عید جانم شمس تبریزی بود
عید را قربانی اعظم شدم	عید را قربانی اعظم شدم

اس سے یہ حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کی طبع آزمائی کا نتیجہ ہے، اور انہی کے وارداتِ قلب کا ترجمان ہے،

اسکے علاوہ یہاں دو باتین ہماری توجہ کو اپنی طرف منعطف کرتی ہین، ایک تو یہ ہے کہ ان منتخبہ غزلیات میں بھی مقطعون میں حضرت شمس کا ذکر اور ان کی مدح آتی ہے، ٹھیک اسی طرح کم وبیش دیوان کی ساری غزلیات میں حضرت شمس کا نام اسی انداز کی تعریف و توصیف کے ساتھ آتا ہے، بادی النظر میں یہی پہلی وجہ ہوتی ہے جس سے ناظر یہ خیال کرتا ہے، کہ یہ حضرت شمس کا کلام ہے، لیکن انتخاب کی ان غزلیات اور ان کے مقاطع میں حضرت شمس کے نام نے اس خیال کو باطل کر دیا، اور یہی نتیجہ دیوان کے بغور مطالعہ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اس نسخہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ مرتب کو اس میں بالکل شبہ نہ تھا، کہ یہ کلام مولینا کا ہے، صاف معلوم ہوتا ہے، اُسنے کامل یقین اور اذعان اور مطالعہ کے بعد ان غزلیات کا انتخاب کیا ہے، اس بات نے ہمارے مدعا کو روشن تر کر دیا ہے،

(باقی)

صوبۂ بہار کے ایک قدیم خانوادہ
کے
دینی وعلمی خدمات

از مولوی سید محمد طٰہٰ اشرف صاحب اتھوی،

(۲)

حضرت مولینا قاضی رفیع الزمان، یہ حضرت مولینا قاضی بدیع الزمان صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور خلف الرشید ہین، یہ بھی اپنے عہد میں قاضی رہے، اور اپنے والد بزرگوار کے بعد جانشین ہوئے، علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنے جد امجد حضرت مولوی معنوی مولینا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائی، اور خلافت و اجازت اپنے والد ماجد سے،

"ربیع الثانی ۱۱۵۰ھ میں انھون نے وفات پائی، نام کا سجع "ھو الرفیع" مہر پر کندہ تھا،

حضرت قاضی محمد شاکر، یہ حضرت مخدوم بدہ صوفی اور حضرت ملا کریم اللہ کی اولاد و احفاد میں ہین، ان کے آبا و اجداد عہدۂ قضا اور دیگر خدمات سلطانی پر مامور ہوکر بہار شریف اور دوسرے دوسرے مقامات پر بھیجے گئے تھے، اور وہین مقیم ہوگئے تھے، اسی سبیل سے ان کے بزرگوں نے بکھٹہ پور متصل نوآبادہ میں اقامت اختیار فرمائی تھی، پھر ان کے صاحبزادے حضرت قاضی محمد صابر صاحب کی شادی حضرت مولوی معنوی کی پروتی، مولینا رفیع رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے ہوئی، اور اس طرح یہ خاندان بھی پھلواری آکر مقیم ہوگیا،

یہ بھی عہدۂ قضا پر مامور تھے، اور ان کے نام سے بہت بڑی بڑی جاگیرون کی سند ہے، حضرت اورنگ زیب بادشاہ غازی کے کئی مکتوب ان کے نام سے محفوظ ہین،

ان بزرگون کے علاوہ انہی بزرگون کے قریب العہد اور ہمعصر اور بھی اکثر بزرگون کے نام ملتے ہیں، اور فرامین شاہی میں بہت تعظیم و تکریم سے ان کا نام لیا گیا ہے، مثلاً زبدۃ الواصلین قدوۃ العارفین مولوی شیخ محمد منہاج الدین متوکل گوشہ نشین، زبدۃ الواصلین حضرت شیخ داؤد ابدال، حضرت ملا شیخ ... حضرت سید بدر عالم یکے از فرزندان غوث الاعظم، حضرت سید محمد فاضل، حضرت غیاث الدین کنج نشین، ... شمس الدین حقانی وغیرہ ان مین سے اکثر یہیں آسودۂ خواب ہین، اور ان کا مزار ایک ہی حلقہ کے اندر ہے،

اس خاندان کے آخری دور میں چند قابلِ قدر علمی ہستیان اور بھی گذری ہیں، اگرچہ دور زمانہ نے ان بزرگون کے علمی کارنامون پر بھی بہت کچھ پردہ ڈال دیا ہے، پھر بھی کوئی ایسی مدت نہیں گذری، اسلئے بہت کچھ نقوش باقی ہیں،

حضرت مولینا سید شاہ احمد حسین یہ حضرت مولینا عبد الحی صاحب لکھنوی کے ہمعصر اور زبردست عالم تھے، ان کے قوائے دماغی اور قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا، کہ بیک نشست پانچ پانچ چھ چھ متعدد مختلف موضوعات کو قلمبند کرتے جاتے تھے، اور یہ سبھون کو بلا وقت مسلسل مضمون لکھواتے جاتے تھے،

انھیں زمینداری کے کامون میں زیادہ مصروفیت رہی، اور ایک بڑی آمدنی کے انتظام اور دُنیانہ طرزِ معاشرت کے باوجود درس و تدریس، تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابر جاری رہا، ان کے شاگردون میں صوبہ بہار کے مشہور واعظ اور خطیب مولینا قادر بخش صاحب سہسرامی تھے، جنھون نے عرصہ تک ان سے تحصیل علم کی، اور آخر میں مولینا عبد الحی صاحب سے تکمیل فرمائی،

شعر و شاعری سے کوئی خاص ذوق نہ تھا، مگر طبعی مناسبت رکھتے تھے، ان کا یہ لطیفہ مشہور ہے، کہ مولوی غلام احمد سعید صاحب کے یہان شب کے وقت تشریف لیجا رہے تھے، لالٹین ساتھ تھی کچھ دور ہی تھے، کہ شہید صاحب نے پکارا "کس کی یہ لالٹین آتی ہے"، انھون نے برجستہ جواب دیا "شمع جبین آتی ہے" حضرت شہید صاحب اس برجستہ مصرعہ پر پھڑک اوٹھے،

۱۳۰۳ھ میں انھون نے وفات پائی، اور حضرت شاہ کبیر درویش صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی خانقاہ سہسرام کے مقبرہ میں مدفون ہوئے، ان کی تصنیفات سے میرے پاس حسب ذیل کتابین ہین،

القول المحمود فی بیان محفل المولود، مجلس میلاد کے جواز و عدم جواز کا معرکۃ الآرا مسئلہ اس زمانہ میں اچھا خاصہ علمی "دنگل" تھا، اوسی زمانہ کی یہ تصنیف ہے، کتاب طویل، دلچسپ اور مدلل ہے، قرآن و حدیث اور اجماعِ امت سے جوازِ میلاد پر دلائل پیش کئے گئے ہین، اور پرزور طریقہ پر میلاد کا جواز و استحباب ثابت کیا گیا ہے، یہ کتاب اردو میں ہے، اور مطبوعہ ہے،

ترتیب المدارج، خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مدارج کی تفصیل میں اہل سنت اور اہل تشیع کے اختلافات کی مدلل تائید اور پرزور تردید ہے، اور بالترتیب خلفائے راشدین کے مدارج کی تعیین میں ادلۂ شرعیہ سے پرزور طور پر کام لیا گیا ہے، یہ رسالہ مختصر اور مطبوعہ ہے،

دافع الوسواس من خواطر الناس اس میں غیر مقلدین کے پیچ در پیچ سوالات کے مفصل جوابات ہیں، یہ کتاب اچھی خاصی ضخیم اور قیمتی معلومات سے پر ہے، غیر مطبوعہ بلکہ اصل مسودہ ہے،

التقریر الانسب فی تحقیق النسب، نواب صدیق حسن خان نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی تھی، کہ ثبوتِ نسب صرف باپ سے ہو سکتا ہے، اگر کوئی شخص اپنا نسب ماں سے ثابت کرے تو وہ حدیث من انتمی الی غیر ابیہ فقد کفر کی وعید میں داخل ہے، یہ رسالہ اسی رسالہ کی تردید میں لکھا گیا تھا، پہلے قرآن سے دلائل قائم کئے گئے ہیں، پھر حدیث سے، پھر اقوال فقہاء سے بحث کی گئی ہے، اور بہت وضاحت کیساتھ یہ ثابت کر دیا گیا ہے، کہ ثبوتِ نسب میں ماں اور باپ دونون کی حیثیت مساوی ہے،

رسالہ کی زبان عربی ہے، اس کا پیش نظر نسخہ مولینا قادر بخش صاحب سہسرامی نے اپنے ایام طالب العلمی

میں اپنے قلم سے صاف کیا تھا،

"مجموعۂ تحریر در تعیین معنی کلمۂ توحید" مولینا عبد العزیز صاحب امروہوی اور حضرت مولینا سید شاہ احمد حسین صاحب کے کلمۂ توحید کے معنی کی تعیین میں تحریری مباحثہ رہا تھا، یہ وہی مجموعہ ہے، نحو و صرف، حدیث و تفسیر، اقوال علماء و صوفیہ سے فریقین نے اپنے اپنے تبحر علمی کا ثبوت دیا ہے، رسالہ دلچسپ اور پر معلومات ہے۔

حضرت مولینا حاجی سید شاہ ظہور الحسن رح یہ حضرت مولینا شاہ احمد حسین صاحب کے حقیقی بھائی تھے، علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل حضرت مولینا محمد موسیٰ صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائی، جو اپنے عہد کے مشہور و باکمال عالم و صوفی تھے، مولینا شاہ احمد حسین صاحب بھی ان ہی کے تلمیذ رشید اور مسترشد تھے، اور جناب شاہ امین احمد صاحب فردوسی سجادہ نشین خانقاہ مخدوم الملک بہار شریف نے بھی موصوف سے تعلیم پائی، اور ارشاد لیا تھا، چنانچہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی ایک مثنوی میں اسکا تذکرہ فرمایا ہے،

بہر جناب محمد موسیٰ پیر و مرشد علم استاد، بہر امین و بہر ظہور و بہر احمد نیک نہاد

ان کے زہد و اتقا کا یہ عالم تھا، کہ عمر بھر روپیہ پیسہ کو ہاتھ تک نہ لگایا، جو کھانے کو مل گیا کھا لیا، جو پہننے کو ملا پہن لیا، انہوں نے تین حج فرمائے تھے، اور دو سال حجاز و عراق اور دیگر مقامات مقدسہ کی سیر و سیاحت میں مصروف رہے، اور اثنائے قیام عرب میں بہت سے بیش قیمت اور نادر تبرکات بھی حاصل فرمائے تھے، اور چونکہ تحقیق و تدقیق موصوف کی فطرت ثانیہ تھی، اس لئے ان تبرکات کے متعلق اسقدر چھان بین اور سلسلہ اسناد پر اس طرح جرح و تعدیل فرمائی تھی، کہ ان کی صداقت اور اصلیت میں ذرا شک کی گنجایش نہ تھی، افسوس کہ وہ تبرکات ان ہی کے عہد میں چوری ہو گئے، جس کا موصوف کو بیحد صدمہ ہوا،

ان کے علم و کمال اور قوت حافظہ کا یہ عالم تھا، کہ جب آخر عمر میں آنکھوں کی روشنی جاتی رہی، اور خود لکھنے پڑھنے سے معذور ہو گئے، تو دوسرے سے لکھواتے تھے، جن میں اکثر کم علم اور قلیل المعلومات لوگ ہوتے تھے، اسلئے ثبوت و اسناد میں کتابوں کے حوالہ کا کام ان سے ممکن نہ تھا، موصوف زبانی بقید صفحہ و سطر کتابوں کا حوالہ درج کراتے تھے،

ایام قیام مکہ میں حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمۃ ایک روز مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے، اور اکثر اہل علم اور ذی استعداد علماء شریک درس تھے، اور موصوف بھی اس صحبت میں شریک تھے، کسی مقام پر حضرت مولینا امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے کچھ مطلب بیان فرما کر کہا کہ اس سے زیادہ دلچسپ اور معنی خیز مطلب کی تلاش و جستجو ہے، یہ سبق کل کے لئے ملتوی رہے، دوسرے دن بھی موضوع بحث کو اگلے دن کے لئے اٹھا رکھا، حضرت مولینا سید شاہ ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمہ نے چاہا کہ کچھ عرض کریں، لیکن رعب علم اور ادب و تہذیب مانع ہوئے، تیسرے دن بھی یہی ہوا تو شاہ صاحب موصوف نے اسقدر دلچسپ اور پر زور مطلب بیان کیا کہ حضرت مولینا امداد اللہ صاحب علیہ الرحمۃ بیساختہ کھڑے ہو گئے، اور غایت مسرت میں ان سے لپٹ کر بے اختیار ان کی پیشانی پر بوسے دیئے،

انہوں نے عربی میں ایک رسالہ لکھا تھا، شاید اس کا نام مفتاح الربانی لفتح کنوز المعانی تھا، اس پر حرمین شریفین اور بغداد کے علماء نے زبردست تقریظیں لکھی تھیں، اور مولینا امداد اللہ صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی خوش ہو کر پر زور تقریظ لکھی، اور اسکے چھپوانے کی خاص طور پر تاکید کی تھی، افسوس کہ وہ رسالہ گم ہو گیا، اور تلاش کے باوجود اب تک نہ مل سکا،

علم الانساب میں انھیں خاص مہارت تھی، اور اپنے عہد میں اس فن میں یگانۂ روزگار سمجھے جاتے تھے،

موصوف کے ہمعصر اہل علم اور صوفیہ کرام مثلاً حضرت مولینا سید شاہ مرشد علی قادری بغدادی میدنی پوری، مولینا عبد العلیم صاحب آسی، مولینا سید شاہ بدر الدین صاحب پھلواروی سابق امیر شریعت، شیخ احمد حلوانی مفتی احناف مکہ معظمہ، مولینا سید شاہ سلیمان صاحب پھلواروی، جناب شاہ اکبر صاحب داناپوری، جناب شاہ امین احمد صاحب سجادہ نشین بہار شریف، جناب شاہ عبد القادر صاحب اسلام پوری، جناب عبد اللہ

شاہ صاحب وارثی، جناب شاہ قیام اصدق صاحب وجناب شاہ شہود الحق صاحب پیر بیگہ نمواتوان، جناب صوفی سجاد حسین صاحب بدوسری وغیرہم ان کے دل سے قدردان تھے، اور ان کے علوم ظاہری وباطنی کے قائل، ان میں سے اکثر بزرگون نے خود یہان آکر حضرت موصوف سے ملاقات فرمائی تھی، اور اکثر کے خطوط اسوقت تک محفوظ ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کی کیا قدر و منزلت ان بزرگون کے دل میں تھی،

ان کے اکثر وبیشتر اوقات عبادت وریاضت میں صرف ہوتے تھے، پھر درس وتدریس تصنیف وتالیف اور فتوی نویسی ودیگر خدمات علمی ہین، ان کے شاگردون میں، مولینا امیر حسن صاحب بلیاروی اور جناب مولوی شاہ فرید صاحب سہسرامی سابق مدرس مدرسہ خانقاہ سہسرام اپنے علم وفضل کے لحاظ سے ممتاز تھے؛ انھیں حضور سیدنا عبد القادر علیہ الرحمہ سے بڑی عقیدت اور بے حد محبت تھی،

وفات — حضرت موصوف نے ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ کو وفات پائی،

تصنیفات، — ان کی زیادہ تر تصنیفات مناقب غوث پاک میں ہیں، اور کچھ نسب وغیرہ کے متعلق، اکثر کتابین ضائع ہوگئین، اور جو ہیں وہ بہت ردی حال میں ہین،

۱- تحفۃ الاقران والاحباب فی الاکفاء والانساب، یہ مبسوط رسالہ فارسی میں بڑے سائز کے تقریبا دو سو صفحات پر محیط ہے، اور اپنے موضوع پر نہایت دلچسپ اور اہم ہے، علم نسب کے تعلیم وتعلم اور صیانت نسب کے غیر ضروری ہونے کے خیالات جو عام طور پر رواج پذیر ہوگئے ہین، اس کے ادلۂ شرعیہ اور اقوال بزرگان سلف سے محققانہ اور بہت دلچسپ بحث کی گئی ہے، اور صیانتِ نسب کی اہمیت پر زبردست دلائل پیش کئے گئے ہین،

۲- ازالۃ الخفاء عن سیادۃ اشرف الشرفاء، حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی سیادت پر طعن کرنے والون کے الزامات کا محققانہ جواب ہے، مگر افسوس کہ اردو مین لکھا گیا ہے، جس کا رواج تصنیف

وتالیف کے لئے ان کے عہد میں عام نہ تھا اس لئے اردو ذرا غیر دلچسپ ہے،

۳- شجرۃ الاصل النورانیہ ایک طویل رسالہ ہے، ابتدا میں مختلف فصل اور باب قائم کئے گئے ہین، اور پھر ان کے تحت میں سب کے متعلق دلچسپ اور ضروری معلومات مہیا کی گئی ہین، پھر حضرت مصنف نے اپنے مختلف شجرۂ نسب کے بزرگون کے حالات جو کچھ بالتحقیق میسر آسکے، لکھے ہین، یہ رسالہ نہایت شکستہ اور ردی حال میں، اور نامکمل ہے، درمیان کے اوراق رہ گئے ہین، (فارسی)

۴- مفتاح الرحمانی لفتح کنوز المعانی، یہ رسالہ عربی میں تھا، اور مجھے نہ ملا، اس کے ابتدائی چند اوراق ملے، جس میں یہ ذکر تھا، کہ علمائے حرمین شریفین اور حضرت مولینا امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے اس پر تقریظیں لکھی تھین،

۵- مناقب مالک الرقاب، یہ کتاب بھی موجود نہین، ایک صاحب علم مولوی نور الحسن صاحب نے اس کتاب پر حسب ذیل عبارت لکھی تھی،

"الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی،

کتاب لب لباب مناقب مالک الرقاب، لراقمہ ؎

اے جامع صفاتِ کمالِ محمدی، — آئینۂ جمال وجلالِ محمدی،

نور علی وفاطمہ وشبر وحسن، — بعد از ائمہ زبدۂ آلِ محمدی،

مصنفہ عالم علوم دین صوفی باتمکین مولوی سید شاہ ظہور الحسن حفظہ اللہ من شر در لفقتن سرتا سر دیدم، بقدر رسائی بمضمونش وارسیدم ہمہ وش خوب نیکو اسلوب است این... حقہ خاص مصنف از حضرت مبدء فیاض بود کہ در عالم ظہور نمود،

توقیع قبول روز بیش باد، — راقم آثم محمد نور الحسن عفی عنہ،

۶- ظہور کنوزات الربوبیہ لمعرفۃ رموز المحبوبیہ، یہ مبسوط رسالہ عربی میں ہے، حضرت

عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان کئے گئے ہیں، اور حضرت کے ملفوظ قدمی ھذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللہ کے نکات بیان کئے گئے ہیں، رسالہ کے انداز بیان اور طرز استدلال کے متعلق موصوف مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں،

"فصدرتھا تاماً بحیث لا ینکرھا احد من اصحاب الشریعۃ والطریقۃ"

افسوس یہ کہ اصل مسودہ کو صاف کرانے اور نظر ثانی کرنے کا موقع حضرت مصنف کو نہ ملا، اسلئے حروف اسقدر بدخط، حاشیہ اس قدر غیر واضح، اور ترمیم و تنسیخ کی اتنی کثرت ہو کہ پڑھنے والے کو بڑی ریاضت اور محنت کرنی پڑتی ہو،

۲- مرآۃ القلوب لمعاینۃ قدم المحبوب، یہ رسالہ فارسی میں ہے، اور ضخیم ہو، اسمیں مناقب شیخ عبد القادر اور "قدمی ہذہ" کی بحث ایک دوسرے پیرایۂ بیان میں کی ہے،

ان رسالوں کے علاوہ ان کے بعض فتاوے مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتے ہیں،

مولوی سید شاہ خلیل اللہ مرحوم،	یہ حضرت مولینا سید شاہ ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمۃ کے منجھلے صاحبزادے

اور علم و عمل میں اپنے والد بزرگوار کے قدم بقدم تھے، طالب علمی کے زمانہ سے تصنیف و تالیف شعر و سخن کا فطری ذوق رکھتے تھے

موصوف اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے تحصیل علوم فرمارہے تھے، اور تکمیل کیلئے بریلی یا لکھنو جانے کو رخت سفر باندھ چکے تھے، کہ سفر آخرت پیش آگیا، انتقال کے وقت تخمیناً کل ۱۷ یا ۱۸ برس کی عمر ہوگی، سنہ ۱۳۲۲ھ میں انھون نے انتقال کیا،

ان کی تصنیفات میں دو رسائل کے نام معلوم ہوئے، "تفریح الخاطر فی مناقب عبد القادر" اور "کحل العین" ان کی شاعری زیادہ تر حمد و نعت اور مناقب شیخ عبد القادر سے متعلق تھی ان کے مجموعۂ کلام اور تصنیفات کا ذخیرہ مولینا امیر حسن بلیاروی بغرض اشاعت لے گئے، اور انھون نے مرحوم کے سوانح و حالات مین ایک کتاب توقیع خلیل اللہ بھی لکھی تھی، (سنہ ۱۳۲۲ھ) لیکن موصوف کی زندگی نے وفا نہ کی اسلئے ان کتابون کی طبع و اشاعت نہ ہوسکی،

عربی کی مشہور نظم اِن نلت یا ریح الصبا کے بحر و قوافی میں موصوف نے ایک غزل لکھی تھی، جس کے چند شعر یہ ہیں:-

یا مصطفیٰ اعط لنا، اثمار من نخل الکرم
فاجعلنی یا محبوبنا، خدام من خدم الحرم
جاء الخلیل خاطئاً انظر الیہ بالکرم

ان کی ایک اردو غزل کا مطلع یہ ہے:-

حمد ہو ایسی رقم اس داور دادار کی، نعت ہو جس میں چمکتی احمد مختار کی

مولوی شاہ فرید الدین یکتا مرحوم،	یہ جناب مولینا شاہ ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمۃ کے چھوٹے بھائی مولوی

شاہ نور الحسن صاحب کے صاحبزادے تھے، عربی فارسی میں اچھی استعداد رکھتے تھے، حیدرآباد دکن میں وکالت کرتے تھے، اور سرکار نظام خلد اللہ ملکہ کی طرف سے کچھ وظیفہ بھی مقرر تھا، شعر و شاعری اور ادب اردو سے بھی ذوق رکھتے تھے، اپنچ پٹنہ کے نامہ نگارون میں تھے،

ان کی دو نظمین "جلوۂ محبوب" اور "ماہ مدینہ" علحدہ علحدہ رسالون کی شکل میں چھپوائی گئی تھیں، چند بند یہ ہیں

پیدا ہوئے جس وقت مہ یثرب و بطحا، اک نور جبین شہ لولاک سے چمکا،
آنکھون سے حجاب اس کے اٹھا دشت جبل کا، اوس صبح نے تا شام نہ رکھا کوئی پردہ

تھرائے نظر شام کے کیا پردہ دری ہو،
کیا صلّ علیٰ نور ہے کیا جلوہ گری ہو،

حضرت جابر بن سمرہ کی ایک روایت کو کس خوبی کیساتھ نظم کیا ہے:-

ساقی مجھے للہ پلا جام بصیرت　دل میں ہے مرے جلوہ نما چاند سی صورت

یاد آ گئی کیا جابر سمرہ کی روایت　فرماتے ہیں "نکلے شب مہتاب میں حضرت

تھی سُرخ قبائے عربی زیب تن پاک

اور جامے سے پھٹتی تھی ضیائے بدن پاک

وہ روئے پر انوار وہ گیسوئے شب آرا　گویا کہ ہے گھیرے ہوئے مہتاب کو ہالا

کیا کہئے عجب نور کا ہے سامنے نقشا　دو بدر مقابل جو ہوئے دل میں یہ سوچا

ان دونوں میں دیکھیں تو بھلا کون حسین ہے،

مہتاب فلک وہ ہے تو یہ نیر دین ہے،

پڑتی تھی نگہ میری کبھی ماہ فلک پر　تھی میری نظر گاہ سوئے چہرۂ انور،

دیکھا نظر غور سے تھا ماہ نہ ہمسر،　رخشاں کہیں مہتاب سے تھا روئے پیمبر

گر ماہ مقابل ہو تو یہ بے ادبی ہے،

وہ نجم فلک، یہ قمر مطلبی ہے،

ان کا انتقال سنہ ۱۳۵۱ھ میں حیدرآباد دکن میں ہوا،

چینی مسلمان

چین سے مسلمانوں کا تعلق آغاز اسلام سے رہا ہے، اس زمانہ میں بھی کروڑوں مسلمان وہاں آباد ہیں، وہاں کے مسلمانوں کے مستند مذہبی اخلاقی تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالات ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے ہندوستانی زبان میں لکھے ہیں، کہ مسلمانان ہند اپنے ان بھائیوں کے حالات سے آگاہ ہوں، ضخامت ۲۴۲ صفحے، قیمت صرف ۱۲ "منیجر"

تلخیص و تبصرہ

"ہندوستان میں انگریزی صحافت"

از جناب عبدالرزاق صاحب بی اے ایچ سی ایس، مددگار معتمد فنانس حیدرآباد دکن،

انڈین ڈیلی میل کے ایک مقالہ نگار نے ایک مقالہ بعنوان بالا "ہندوستان میں انگریزی صحافت" پر ایک نظر ڈالی، اس کی تلخیص ذیل میں پیش کیجاتی ہے، جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا"

ہندوستان میں سب سے پہلا اخبار سنہ ۱۷۶۳ء میں نکلا، مگر اس کا کوئی پرچہ ہم تک نہیں پہنچا ہے، دراصل ہندوستانی صحافت کا آغاز وارن ہیسٹنگز کے عہد میں ہوا، سب سے پہلا اخبار بنگال گزٹ جنوری سنہ ۱۷۸۰ء میں جیمز ہکی کے زیر ادارت نکلا اور جس میں ملکی کمزوریوں اور انتظامی خرابیوں کو تجارتی اشتہاروں، جنگی خبروں، قانونی مقدموں اور قومی جلسوں کے بھیس میں ظاہر کیا جاتا تھا، یہ اخبار گورنمنٹ کے ساتھ مخالفانہ روش رکھنے کے سبب سے بہت جلد بند کر دیا گیا،

پھر نومبر سنہ ۱۷۸۰ء میں انڈیا گزٹ کے نام سے ایک اخبار جاری ہوا، اس کے چار سال بعد کلکتہ گزٹ فرانس گلاڈون کی ادارت میں نکلا، گلاڈون ایران میں رہ چکا تھا، فارسی دانی میں خاص شہرت رکھتا تھا، پھر سنہ ۱۷۹۰ء میں کلکتہ منتھلی رجسٹر نکلا،

لارڈ کارنوالس اور سر جان شور کے عہد میں اخباروں کے ذریعہ سوسائٹی کی اخلاقی حالت میں ترقی و اصلاح ہونے لگی اور جرائد نے بڑی وقعت پیدا کر لی اور وہ سوسائٹی کے جذبات کا لحاظ رکھنے لگے

کرنے لگے، جیسا آجکل کے جرائد کرتے ہیں، کارپردازانِ اخبار لوگوں کے ساتھ نہایت خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے تھے، اور ان کو ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے، کہ مبادا اخبار کی اشاعت گھٹ جائے

سنہ ۱۷۹۲ء کے انڈین گزٹ میں انقلاب فرانس اور بغاوت انگلستان کے واقعات کے علاوہ کارنوالس کے وہ بیانات بھی شائع ہوتے تھے، جن میں سقوط بنگلور اور محاصرۂ سرنگاپٹم کے حالات درج رہتے تھے، انگریزی جہاز جب ساحل ہندوستان پر پہنچتا تو پریس کے نمائندوں کا ایک گروہ ولایت کے تازہ اخبارات کے لئے تیز رفتار کشتیوں کے ذریعہ ہوگلی کے دامن میں ایک دوسرے پر سابقت کرتے، اور تازہ ترین اخبارات کو سب سے اول لینے کی کوشش کرتے تھے

پریس پر حکومت کی نگرانی

سنہ ۱۷۹۸ء تک اخبارات پر قیود عائد نہیں تھے، البتہ گورنر جنرل کو اختیار تھا کہ کسی اخبار نویس سے وثیقہ اجازت واپس لیکر اس کو ہندوستان میں رہنے نہ دے اور اسے انگلستان جانے کا پروانہ دیدیا جائے، چنانچہ بنگال گزٹ کا اڈیٹر جس مین پکی حکومت کا معتوب ہوا کیونکہ وہ اپنے اخبار میں گورنر جنرل کے خلاف اکثر مضامین لکھتا تھا، اس کو ممانعت کی گئی کہ وہ ڈاک کی کے ذریعہ اپنے اخبار کی اشاعت نہ کرے، اور اس کے بعد اس پر گورنر جنرل کے ازالۂ حیثیت عرفی کا مقدمہ چلایا گیا، اسی طرح ایک دوسرے اڈیٹر کو کارنوالس نے اور ایک تیسرے کو ولزلی نے ہندوستان سے نکلوا دیا، ولزلی کا یہ اصول تھا کہ پریس کی سختی سے نگرانی کیجائے، پریس پر سب سے پہلی مرتبہ اسی نے خاص نگرانی قائم کی اور اخبار کے مالکوں اور مدیروں کے لئے قواعد نافذ کئے جن کی خلاف ورزی پر جلا وطنی کی سزا مقرر تھی،

انیسویں صدی کے آغاز میں اخبارات و رسائل کی تعداد خاصی بڑھ گئی، کئی ماہوار رسالے مثلاً ٹیبل میگزین جاری ہوئے، ان کے بعد کلکتہ منتھلی جرنل نکلا جس کا مقصد یہ تھا کہ مہینہ بھر کی ہندوستانی خبریں اختصار کے ساتھ پرچہ میں درج کردی جائیں تاکہ یہ خبریں انگلستان تک پہنچ جائیں،

ملکی خبروں کو مختصر طور پر لکھنے میں "منتھلی جرنل" کے اڈیٹر کو ید طولیٰ حاصل تھا، اسکی بہت سے لوگوں نے تقلید کی، اس کے علاوہ ایک ہفتہ وار اخبار "انڈین ریویو" کے نام سے نکلا اور سنہ ۱۸۱۸ء کے قریب ہفتہ میں دوبار دی ریلے ٹر نکلنا شروع ہوا،

مدراس کے ابتدائی اخبارات

مدراس میں سب سے پہلا اخبار "دی مدراس کوریر" کے نام سے نکلا، حکومت نے اس کی حوصلہ افزائی کی، چنانچہ وہ اعلانات جو پہلے قلعہ کے دروازہ پر چسپاں ہوتے تھے اب اس اخبار میں شائع ہونے لگے، یہ ہفتہ وار تھا اور شروع سے مسلسل نمبر اس پر لگائے جاتے تھے، برٹش میوزیم میں اس کے شروع کے بعض پرچے محفوظ ہیں، ڈاک کے قواعد کی از سر نو تنظیم ہوجانے کے بعد اس اخبار کو صوبہ کے حدود میں بلا محصول بھیجنے کی اجازت دے دی گئی، حکومت بمبئی اس کو بالالتزام خریدتی تھی، اور کلکتہ میں بھی اس کی مانگ ہوتی تھی، یہ اخبار بہت مقبول ہوگیا تھا، اس کے ہر پرچہ میں چار ورق ہوتے تھے، دو ورق میں ولایتی اخبارات کے اقتباسات، تیسرے میں ہندوستانی خبریں اور اڈیٹر کے نام مراسلے اور چوتھے میں نظمیں، ادبی مضامین اور اشتہارات ہوتے تھے، فوجی خبریں بھی اس میں بہت چھپتی تھیں، اس اخبار کا پہلا اڈیٹر باؤنڈ نامی تھا، اس نے سنہ ۱۷۹۳ء میں ایک اخبار "ہرکارہ" کے نام سے بھی نکالا، اس اخبار کے ساتھ بھی بغیر محصول لئے ڈاک سے بھیجنے کی حکومت نے رعایت کی، سنہ ۱۷۹۵ء میں انڈین مرکری اور اورنٹل میگزین اور جرنل آف لٹریچر اینڈ سائنس جاری ہوئے، آخر الذکر تیسرا اخبار مدراس گزٹ تھا، اس میں بزبان تامل اشتہارات ہوتے تھے، اور اس کو مثل "کوریر" کے حکومت کی سرپرستی حاصل تھی،

سرنگاپٹم کی فتح اور ٹیپو سلطان شیر ہندوستان کی وفات پر ولزلی نے مدراس کے پریسوں پر نگرانی کا حکم دیا، جس کے رو سے اخبارات کو شائع ہونے سے قبل معتمد حکومت کے پاس پیش کرنا پڑتا تھا، معتمد کے فرائض یہ تھے کہ افتتاحیہ مقالوں میں کاٹ چھانٹ کرتا رہے اور کوئی مواد ایسا

شائع نہ ہونے دے جس سے کمپنی کے اغراض کو نقصان پہنچے، ولزلی اور منٹو کے زمانہ میں اخباروں کا
بلا محصول شائع ہونا تجربہ سے خوفناک ثابت ہوا اس لئے یہ رعایت اٹھادی گئی اور محصول عائد
کیا گیا، اسی زمانہ میں ایک دفعہ حیدرآباد کے رزیڈنٹ نے اعلیحضرت نظامِ وقت کی بارگاہ میں چند
تحائف پیش کئے جن میں ایک تحفہ انگریزی اخباروں کا تھا، اس پر معتمد حکومت نے رزیڈنٹ کو ملامت
کی کہ اس نے "اعلیحضرت نظام" وقت کو تحفہ میں اخبار ایسی خطرناک شے کیوں پیش کی،

لارڈ ہیسٹنگز کے عہد میں پریس کی آزادی

لارڈ ہیسٹنگز اپنے ساتھ پریس کی آزادی کا خیال لیکر آئے تھے، اور انھوں
نے اپنی حکمت عملی کا اظہار عام طور پر کردیا کہ حکومت کا مفاد اس میں ہے کہ اس کے
انتظامات پر آزادیِ خیال کے ساتھ مباحثے ہوں، کلکتہ جرنل ۱۸۱۸ء سے ہفتہ میں دو بار کلکتہ گزٹ
اور ہارنگ پوسٹ کے عوض نکلنے لگا، اس کے پرچے صاف اور بے باک تحریروں سے پر ہوتے تھے
اس کو پڑھ کر صوبہ کے قدامت پسند لوگ چونک اٹھے، آدم نامی ایک شخص معتمد سیاسیات تھا، جو بعد کو
گورنر جنرل کی کونسل کا رکن ہوگیا تھا، وہ نہایت قدامت پسند تھا، اور پریس کی آزادی کی اس
سبب سخت مخالفت کرتا تھا کہ یہ آزادی ہندوستان کے حالات کے موافق نہیں تھی، مگر با ایں ہمہ
لارڈ ہیسٹنگز پر آدم اور اس کے ہم خیال اشخاص کا مطلق اثر نہیں ہوا، ورنہ وہ کلکتہ جرنل کا
حقِ اشاعت ضبط کرلیتا، وہ جانتا تھا کہ صحیح معنوں میں یہی گزٹ ہندوستان کا سب سے پہلا
پبلک اخبار کہے جانے کا مستحق ہے، گورنر جنرل بطیب خاطر بے باک تحریروں کو دیکھتا اور شاید
ان سے فائدہ بھی اٹھاتا، نیز گاہے گاہے اڈیٹر کو اس کی غلطی پر خانگی طور سے متنبہ کرتا اور اپنے
حدود سے متجاوز نہ ہونے کی تاکید کرتا رہتا، اس کے دورِ حکومت میں اخبارات خوب چمکے، [illegible]
انڈین گزٹ ابتدا میں ہفتہ وار تھا، اب ہفتہ میں دوبار شائع ہونے لگا، وہ سیاسی مقاصد
کا حامل تھا، نظم ونسق پر جچے تلے مضامین لکھتا تھا، اسے نہ حکومت کی ناراضی کا خوف تھا نہ پبلک

کی تحسین کی پروا،
اسی طرح ہفتہ وار اخبار بنگال ہرکارہ ۱۸۱۹ء سے ہفتہ وار سے روزانہ ہوگیا، ہندوستانیوں
میں اشاعتِ تعلیم کا حامی آزادیِ خیال کا مؤید اور رفاہِ عام کے امور کا طالب تھا،

آدم کی سخت گیری

لارڈ ہیسٹنگز کے عہدِ حکومت کے خاتمہ کے ساتھ پریس کی آزادی پھر خطرہ میں پڑ گئی
چنانچہ اس کے سبکدوش ہونے کے بعد ہی جب کلکتہ جرنل کے اڈیٹر بکنگھم نے حکومت پر سخت حملے
کئے، تو ۱۸۲۳ء میں اسکا لائیسنس واپس لے لیا گیا، اور اس کو انگلستان بھیجدیا گیا، یہ واقعہ آدم
کے زمانہ کا ہے جبکہ وہ لارڈ ہیسٹنگز کی سبکدوشی کے بعد مستقل تقرر تک منصرم گورنر جنرل تھا، بکنگھم
نے انگلستان جاکر وہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کے انتظامات پر اس قدر سخت اعتراضات وارد کئے
کہ کمپنی مجبور ہوکر آخرش اس کو وظیفہ دینے لگی جب پریس پر سے قائم شدہ قیود اٹھالئے گئے تو وہ
پھر ہندوستان کو واپس آگیا،

مسٹر آدم کے ضوابط اور [illegible] کا ان کی تنقیح کرنا،

انگریز اڈیٹروں کا ملک بدر کیا جانا تو خیر ہندوستانی صحافت پر کوئی اثر
نہیں ڈال سکتا تھا، کیونکہ فرانسیسی یا پرتگیزی انگریز جلاوطن کی جگہ لے لیتا
تھا، لیکن گورنر جنرل کی مشکلات یہ تھیں کہ وہ ہندوستان کے باشندوں کو جلاوطن نہیں کرسکتا
تھا، اس لئے آدم نے ان اختیارات میں اضافہ کردیا، جو حکومت کو مطابع پر شرطیں عائد کرنے
کے متعلق حاصل تھے، اور جو عدالتِ عالیہ سے منظور شدہ تھے، اس پر ہر چند ہندوستان و انگلستان
دونوں جگہ آدم کے متعلق بہت سی چہ میگوئیاں ہوئیں، مگر اس کی تجاویز کو کورٹ آف پروپرائٹرز
اور پریوی کونسل نے پسند کیا اور پریس کے قواعد کو منسوخ کرنے کے خلاف جو ایک درخواست
دی گئی اس کو مسترد کردیا،
لارڈ امہرسٹ اپنے پیشرو کی حکمت عملی سے متفق نہیں تھا، اس نے بتدریج پریس کے قیود

کو گھٹانا شروع کیا، یہاں تک کہ اسکی حکومت کے آخری دو سال میں سلسلۂ تعزیر موقوف ہوگیا، اور صوبہ کے اخبارات کو امن نصیب ہوا،

اس کے بعد لارڈ ہیٹنگ کا دورِ حکومت آیا، وہ پریس کا بڑا قدرداں ثابت ہوا، پریس کو قوم کا مخلص دوست اور حکومت کا معاون سمجھتا تھا، اور وہ بہ نسبت دوسرے ذرائع کے پریس کے ادارے سے بہت فائدہ اٹھاتا تھا۔

پھر مٹکاف ہیٹنگ سے بھی زیادہ پریس کا موید نکلا، کلکتہ کے کسی اخبار میں ایک خط کے شائع ہونے سے بمبئی کے گورنر کو رنج پہنچا، اس نے اصرار کیا کہ اخبار نویس کا پروانہ چھین لیا جائے مگر مٹکاف نے تجویز کی کہ اس معاملہ میں اڈیٹر کے خلاف چارہ جوئی کرنا مناسب ہوگا، پھر جب مٹکاف گورنر جنرل مقرر ہوا تو اس نے ایک ایکٹ پاس کیا اور پریس کے نجات دہندہ کا لقب پایا، اور شکر گذار پبلک نے ساحل ہگلی پر اس کی یادگار میں مٹکاف ہال تعمیر کیا جس کے اندر اسکی تصویر آویزاں ہے، ہال پر یہ کتبہ ہے کہ ۱۵ ستمبر ۱۸۳۵ء کو ہندوستان کی صحافت آزاد ہوئی، پریس کے متعلق بنگال کے ۱۸۲۳ء کے قواعد اور بمبئی کے ۱۸۲۷ء والے ضوابط منسوخ کر دیئے گئے جدید ایکٹ کے رو سے ہر اخبار کے چھاپنے اور شائع کروانے کیلئے یہ بیان کرنا کافی تھا کہ اخبار کس مطبع میں طبع ہوگا، اور کس مقام سے شائع کیا جائیگا، اور ہر پرچہ پر طابع اور ناشر کا نام ظاہر کرنا لازم تھا، اسکی خلاف ورزی پر جرمانہ اور قید کی سزا تجویز کی گئی تھی،

دیسی صحافت

۱۸۱۰ء میں کلکتہ میں ہندوستانی نامی اردو مطبع قائم ہوا اور مولوی اکرم الدین صاحب نے اسی نام کا اخبار جاری کیا مگر اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس رنگ کا اخبار تھا، دوسرا اخبار بنگالی درپن تھا جو ۱۸۱۶ء میں سرام پور سے ہیسٹنگز کی سرپرستی میں نکلا، اس کے بعد رام موہن رائے نے برہمنی میگزین نکالا، چندریکا ہندو مذہب کا پرزور وکیل بنکر نکلا، اس کے جواب میں رام موہن رائے

کامودی نکالا، بنگادوت دوسرا پرچہ تھا جس کو رام موہن رائے دوارکا ناتھ ٹیگور اور پرسنو کمار ٹیگور چلاتے تھے،

اس اثنا میں شمالی ہند کا پریس ترقی کرنے لگا، انگریزی کا سب سے پہلا پریس کانپور میں قائم ہوا اور اس میں کانپور ایڈورٹائزر چھپنے لگا،

میرٹھ نے جہاں سے ایک اخبار قلمی شائع ہوتا تھا، کانپور کی تقلید کی اور ۱۸۳۱ء میں وہاں آبزرور اور اس کے بعد نیوسل میگزین طبع ہونے لگا، انہی ایام میں آگرہ اخبار بزبان فارسی نکلا، جو اقتاب وغیرہ ان ۱۸۵۷ء تک مختلف حالتوں کے ساتھ چلتا رہا، ۱۸۳۳ء میں دہلی گزٹ شائع ہوا اور پہلی جنگ افغانستان کی خبروں کے سبب سے اس کی اشاعت بہت بڑھ گئی، ۱۸۳۶ء میں دہلی سے اردو اخبار نکلا، ۱۸۴۷ء میں سید الاخبار شائع ہوا، ۱۸۵۸ء میں اودھ اخبار نکلا جو آج تک جاری ہے، چند سال بعد سائنٹفک سوسائٹی کا اخبار سرسید نے نکالا، سرسید کو اردو کا بابائے صحافت کہنا بیجا نہ ہوگا، دیسی صحافت کو سرسید نے بڑی ترقی دی،

ہم پھر انگریزی صحافت کی جانب رجوع ہوتے ہیں، ۱۸۴۶ء میں مفلائیٹ نے میرٹھ میں آبزرور کی جگہ لی، اور صحافت میں ممتاز جگہ پیدا کر لی، اور جب آگرہ فورٹ سے نکلنے لگا تو ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کی سرکاری خبریں اسی میں شائع ہوتی تھیں بعد کو یہ اخبار بک گیا اور سیول اینڈ ملٹری گزٹ میں ضم ہوگیا، الہ آباد کا سب سے پہلا اخبار ۱۸۳۶ء میں نکلا، مسوری اور شملہ سے بھی اخبارات نکلے، مگر ان کا پیمانۂ عمر مختصر رہا،

رابرٹ نائٹ بلاشبہ ایک اعلیٰ مدیر، ہندوستان کا بہی خواہ اور حقیقی معنوں میں ہندوستانی صحافت کا باوا آدم تھا وہ بمبئی میں ۱۸۴۷ء میں مے فروشوں کا گماشتہ بن کر آیا، مگر چند روز میں اس مشغلہ کو ترک کرکے اس نے صحافت کے میدان میں قدم رکھا، اس وقت تین اخبارات بمبئی میں تھے،

آپس میں تو تو میں میں کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کے سخت بدخواہ تھے، ان میں بمبئی ٹائمس ایک فاضل شخص ڈاکٹر لسبٹ کے زیر ادارت با اثر تھا، یہ اخبار ۱۸۳۸ء سے جاری تھا، ناٹ اس کے لئے ابتدا ًمعاوضہ لیکر مضامین لکھتا تھا، بعد کو ڈاکٹر لسبٹ کی عدم موجودگی میں اس کا اڈیٹر مقرر ہوا اور ایسے نازک وقت میں استقلال اور اعتدال قائم رکھا، جبکہ اینگلو انڈین پریس تمام ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے تھے، اس نے انگریزوں کے جذبات پر قابو حاصل کیا اور ان کو تعصب سے باز رکھا، لوائے انصاف بلند کیا، اور اپنی تحریروں میں کبھی متانت و صداقت کو ہاتھ سے نہ چھوڑا، حالانکہ ہر ڈاک کی واپسی پر انگریز خریدار غصے سے لکھتے تھے کہ ہمارے نام کے پرچے بند کردو، ناٹ نے کھلم کھلا نظم و نسق پر نکتہ چینی شروع کی بعد ازاں اس نے ہندوستانی حصہ داروں سے بمبئی ٹائمز کو خرید کر اس میں اسٹانڈرڈ کو ضم کردیا، ۱۸۶۱ء سے یہ ضم شدہ اخبار ٹائمز آف انڈیا کے نام سے نکلنے لگے، جو اب بمبئی کا موقر اخبار ہے، اپنی نمایاں خدمات کے بعد جب ناٹ ولایت جانے لگا تو بمبئی میں پبلک نے ایک عام جلسہ اس کی صحافتی خدمات کے اعتراف میں کیا اور ایک لاکھ روپیہ کی تھیلی اس کی نذر کی، انگلستان میں اس نے فاسٹ کو جو ہندوستان کی طرف سے پارلیمنٹ کا رکن تھا یہ ترغیب دی کہ وہ ہندوستانی مالگذاری کو شہنشاہی اغراض پر صرف ہونے سے بچائے اور مشہور ممبر کونسل دادا بھائی نوروزجی اور دیگر اصحاب کو ایسٹ انڈین ایسوسی ایشن کے قیام میں مدد دی کچھ عرصہ کے بعد شریک کار سے اختلاف ہو جانے کے باعث اس نے اپنا تعلق ٹائمز آف انڈیا سے منقطع کرلیا اور کلکتہ کو روانہ ہوگیا،

مدراس کے اخبارات کا لب ولہجہ

مدراس میں اخبارات سخت نگرانی کے باوجود زندہ رہے اس عہد میں تین ہفتہ وار پرچے مشہور تھے، اول گورنمنٹ گزٹ دوم مدراس گزٹ سوم مدراس کوریر، یہ تینوں یورپ کے اخبارات سے اقتباس لیتے تھے، کمپنی کے سفیروں کے ساتھ بہت سے انگریزی

جرائد وصول ہوتے تھے، ان جرائد سے یہاں کے اڈیٹروں کی میز بھر جاتی تھی اور ان کے اقتباسات جب تک دوسری مرتبہ پھر ولایتی پرچے نہ آتے یہاں کے اخبارات کے کام آتے، اکتوبر سے دسمبر تک ولایتی ڈاک نہیں آتی تھی، اس لئے ستمبر کے آخر میں کافی تعداد ولایت کے پرچوں کی مہیا کرنا ناگزیر تھا، ایک مبصر کا قول ہے کہ مدراس کے کسی اخبار کو مقبول ہونے کے واسطے ضروری تھا، کہ اس میں بلند پایہ اخلاقی مضامین مشہور ادیب جانسن کے طرز کے درج ہوتے یا مراسلات ظرافت کی چاشنی کے ساتھ شائع کیے جاتے اور اڈیٹر شگفتہ مزاج اور زندہ دل ہوتے،

ان اخبارات میں ذیل کے تین اصول کی پابندی کیجاتی تھی،

۱- مقالہ افتتاحیہ اسی قدر لکھا جائے جتنا کہ اڈیٹر کو درکار ہو،

۲- افتتاحیہ میں جس قدر ممکن ہو معنی کم، الفاظ زیادہ ہوں،

۳- زبان کا استعمال ایسا ہو کہ مطالب کو پردے میں رکھے،

اہل مدراس میں اس زمانہ میں ادبی مذاق نہ تھا اس لئے ہر پرچہ میں مقالہ افتتاحیہ کا التزام گویا اڈیٹر کا کرم سمجھا جاتا تھا، دوسرے دونوں اخبارات مدراس کوریر کے پیش رو تھے، مدراس کوریر ابتدا میں بڑے ٹائپ پر اشتہار چھاپتا تھا جس کا عنوان تجارتی سرکلر ہوتا تھا، اس میں برن کی نظمیں بھی شائع کیجاتی تھیں جو پرچوں کو زینت دیتی تھیں اور اس زمانہ میں بڑی شوق سے پڑھی جاتی تھیں، وہ قانون کے حدود کا لحاظ رکھتا تھا، صرف ایک دفعہ چیف سکرٹری کی شکایت میں ایک مضمون شائع کرنے کے الزام میں اس کی گرفت کی گئی تھی، مدراس گزٹ اور کوریر میں ہمیشہ چھیڑ چھاڑ رہتی تھی، دونوں اخبار ایک دوسرے کی مخالفت میں مضمون شائع کرتے تھے، مضمون کے نیچے ایک سائنفلر اور دوسرا اپنی سائفلر کے فرضی نام لکھتے تھے،

اسیطرح ایک خبار گورنمنٹ گزٹ تھا جس میں ادب کا عنصر غالب رہتا تھا، اور اس کے مضامین دلچسپ

اور مطالعہ کے قابل ہوتے تھے،

ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے پریس نے حیرت انگیز ترقی شروع کی، اس ہنگامہ کے دوران میں ایک ایکٹ پاس کیا گیا جو تھوڑی مدت تک نافذ رہا اور اس کے ذریعہ انگریزی اخبارات ہی پر زیادہ قیود عائد کئے گئے، کیونکہ دیسی اخبارات اتنے اہم نہ تھے کہ ان کی طرف توجہ کیجاتی، سر سسل بنگال کے لفٹنٹ گورنر (۱۸۶۲ء و ۱۸۶۷ء) نے یہ طریقہ رائج کیا کہ دیسی اخبارات کے اہم مضامین کا خلاصہ ہفتہ وار افسرانِ متعلقہ کے پاس پیش ہوا کرے اور برٹش اخبارات کو بھی بھیجا جائے، ۱۸۷۰ء میں تعزیرات ہند کی نظر ثانی ہوئی اور اس میں ایک دفعہ باغیانہ تحریر کی نسبت داخل کی گئی، اس دفعہ کا مسودہ میکالے اور اس کے ساتھیوں نے تیار کیا تھا، مگر تعزیرات کی پہلی اشاعت کے موقع پر یہ دفعہ حذف کر دیگئی تھی، اسی کو دوسری اشاعت میں شامل کیا گیا، یہ دفعہ بہت مبہم تھی اور اس سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کون سے وجوہ مقدمہ چلانے کی بنیاد قرار پا سکتے ہیں، اس لئے حکام بعض ظاہری صورتوں میں مقدمہ چلانے کی رائے نہیں دیتے تھے، جب ۱۸۷۰ء میں سوم پرکاش کو عدالت میں کھینچا گیا تو اس مسئلہ نے اہم صورت اختیار کی، اور بدیسی اخبارات کے ہفتہ وار اقتباسات بصیغۂ راز پیش ہونے لگے، ۱۸۷۵ء میں وزیر ہند نے حکومت ہند کو ہدایت کی کہ اس دفعہ کو پابندی سے بروئے عمل لایا جائے، مگر لارڈ نارتھ بروک نے رائے دی کہ اس وقت تک مقدمے دائر کرنا مناسب نہیں جب تک کہ قانون کی شدید مخالفت نہ ہو، لٹن اوّل اس بنا پر سزا دہی کا مخالف تھا کہ برطانیہ میں بھی پریس ایسا ہی بے لگام تھا، جیسے کہ ہندوستان میں، مگر بنگال کا لفٹنٹ گورنر ایڈن قانون مطابع کے نفاذ پر مصر تھا، لیکن پبلک نے اس کی مخالفت میں آواز اٹھائی، چنانچہ پریس کے نمایندے دہلی دربار کے موقع پر وفد لے کر وائسرائے کی خدمت میں یہ عرض کرنے حاضر ہوئے کہ پریس کی قائم شدہ آزادی بدستور

بحال رکھی جائے، اسی طرح ہندو پیٹریٹ کے اڈیٹر پال نے تنسیخ آزادی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو بنگال کا پورا تعلیم یافتہ طبقہ اس کا ہمنوا ہوا، بالآخر گلیڈ اسٹون نے دارالعلوم میں یہ تقریر کی کہ پریس ایکٹ کے ماتحت جو کارروائی حکام ہند کریں گے اسکی رپورٹ وزیر ہند کے پاس بھیجا کرینگے، اور وزیر ہند وقتاً فوقتاً پارلیمنٹ کے روبرو اس کو پیش کریگا، مگر اس کے باوجود لبرل پارٹی نے اس ایکٹ کو پسند نہیں کیا، بلکہ اس کو عمل کے لحاظ سے غیر مؤثر اور نفاذ کے لحاظ سے بے سود تصور کیا، اور خصوصاً اس سبب سے اسے قابل ملامت سمجھا کہ اس ایکٹ کی ایک دفعہ مرافعہ کے مانع ہے،

لارڈ رپن اور پریس

جب لبرل برسر حکومت آئے تو مذکورہ پریس ایکٹ کی تنسیخ ایک مسلمہ اور متوقع بات تصور کی گئی، اس حکومت کی چار سالہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ وہ ایکٹ نافذ کیا گیا، اس ایکٹ کے حامیوں نے بہت شور مچایا، مگر رپن پر اس عمل کا کوئی اثر نہیں ہوا، یہ لبرل وائسرائے ایک جداگانہ رائے رکھتا تھا، اور ایکٹ کی تنسیخ کی حمایت کرتا تھا، ایکٹ نافذ کرنے کے بارے میں عہدہ داروں کی متفقہ رائے کو اس نے ٹھکرا دیا، اور اس نے دکھایا کہ اس کے خارج کرنے کے باوجود تعزیرات ہند کی دفعات بیرون ہند کے باغیانہ لٹریچر اور قابلِ اعتراض مضامین کو ملک میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے کافی ہیں،

انڈین پریس کا روز افزوں اثر

اس کے بعد ہندوستان میں صحافت نے بڑی ترقی کی، کلکتہ کا ہندو پیٹریٹ گورنمنٹ اور رعایا دونوں پر یکساں اثر رکھتا تھا، سر سریندرناتھ بنرجی نے ۱۸۷۹ء میں اخبار بنگالی کو خریدا یہ ہفتہ وار اخبار تھا اور اس وقت تک بنگال کے تمام اخبارات سوائے انڈین گزٹ کے ہفتہ وار تھے، مگر ۱۸۷۹ء میں صحافت کو اس قدر ترقی ہوئی کہ روزانہ اخبارات نے ہفتہ وار پرچوں کی اشاعت کم کر دی، اسی اثناء میں مدراس کے اخبار ہندو نے اپنی زندگی شروع کی، اس کے پہلے اڈیٹر سبرامنا ئر اور ویرا رگھو اچاریہ نے خود اپنی شخصیتوں سے اس صداقت کا ثبوت

دیا کہ ہر مسٹر ایک بڑا اخبار نویس بڑا رہبر بھی ہوتا ہے، یہ دونوں ہندوستانی قومیت کے رکن رکین اور
ہندوستانی صحافت کی گاڑی میں مضبوط پہیوں کے مانند تھے، لندن کے اخبار نویسوں سے یہ دونوں
کسی طرح کم نہ تھے،

جب سے انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی اس وقت ہندوستانی اور انگریزی اڈیٹروں نے
برطانوی سیاست پر خامہ فرسائی کم کردی، مثلاً مسئلہ آئرلینڈ پر لکھنا چھوڑ دیا، اور ایسے مضامین
لکھنا شروع کیے جن کا تعلق براہ راست ہندوستان سے تھا، ٹائمز آف انڈیا اور بمبئی گزٹ دونوں
روزانہ تھے، مگر گجراتی اخبار بمبئی سماچار ان کے مقابلہ کو اٹھ کھڑا ہوا، صرف مالاباری ایک انگریزی
اخبار انڈین اسپکٹیٹر نکالتے تھے، انھوں نے ایسٹ اینڈ ویسٹ کی بھی ادارت کی، ان کی انشاپردازی
مسلم تھی، وہ ہندوستانی نقطۂ نظر سے واقعات کو دیکھتے تھے، پھر اس زمانہ کے اخبارات کی اہم
خصوصیت یہ تھی کہ کپلنگ اور رائٹ اینٹے جیسے مشہور انشاپرداز ادیب ان کے نامہ نگار ہوتے
تھے، ان کے مضامین سے اخبارات کو رونق ہوتی تھی، اسی خصوصیت کے باعث اخبارات تاریخی
اور علمی لحاظ سے ایسے ممتاز تھے جو آج کل کی تجارتی صحافت کو حاصل نہیں ہے،

پریس اور کونسلز ایکٹ ۱۸۹۲ء

کانگریس کی سب سے پہلی ملکی کامیابی ۱۸۹۲ء کے کونسل ایکٹ کے
نفاذ پر مبنی ہے جس کے رو سے اعلیٰ اور صوبہ واری لیجسلیٹو کونسل کے اراکین کو یہ حق حاصل ہوا کہ
حکومت ہند کے میزانیہ پر مباحثہ کریں اور نظم ونسق پر حکومت سے سوالات کریں، لیجسلیٹو اسمبلی
کے مباحثے اخبارات کی مانگ کو بڑھانے لگے، دیسی اخبارات نے حکام پر نکتہ چینی شروع کی اور اس کے
برخلاف اینگلو انڈین پریس نے حکومت کی مدح سرائی کا آغاز کیا، اخبار انگلش مین ان یورپین
اصحاب کی رائے ظاہر کرنے لگا، جن کے نزدیک لارڈ رپن ایسے عالی حوصلہ شخص کا وجود شیطانی
تھا، اخبار اسٹیٹسمین ہندوستان کے سیاسی خواہشات کا معاون تھا اور ایلٹ کاف کی ادارت میں

وہ دیسی اخبارات سے بھی زیادہ ہندوستانی بن گیا، مگر ۱۹۱۱ء میں اس نے کینچلی بدلی، ہندوستان
کی دوستی کو خیرباد کہہ دیا اور نئی پالیسی اختیار کی، جس پر اسوقت بھی وہ گامزن ہے،

مایہ نشونما

تنسیخ بنگال کے خلاف جن اخبارات میں صدائے احتجاج بلند ہوئی، ان سب کے سریندر ناتھ
بنرجی روح و رواں تھے، اور یہ ہندوستانی صحافت کا بڑا کارنامہ تھا کہ انضمام بنگال پھر عمل میں
آیا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مارلے منٹو کا ریفارم پریس ہی کی چیخ پکار کا نتیجہ تھا، اور دارالحکومت
کا کلکتہ سے دہلی کو منتقل کرنا اصل میں حکومت کا ایک حربہ تھا جو پریس کا گلا گھونٹنے اور بنگال
کی ذہنیت اور ہندوستانی قومیت کو خائف کرنے کے بعد وجود میں آیا، ۱۹۰۸ء کا پریس ایکٹ نئے
جرائم کی تعریف یا اضافہ نہیں کرتا، اس ایکٹ کو ان اخبارات کے ان مضامین کے خلاف بہت سختی
کرنے کا موقع ملا جن کے مطالعہ سے قتل وغارت پر آمادہ ہونے کی لوگوں کو ترغیب ہوتی تھی، یہ
ایکٹ بنرجی کی رائے میں لٹن کے ایکٹ سے اور نیز ۱۹۰۷ء کے "سڈیشن میٹنگس ایکٹ" سے بھی
زیادہ سخت تھا، دیسی اخبار کو قومی حمایت میں اکثر ایسی مدد نہیں ملی جیسی کہ تعلیم یافتہ طبقہ سے توقع
تھی، بنگالی کو بنرجی نے اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا، مگر افسوس کہ اب اس کی حالت اچھی نہیں ہے،
اس کی اشاعت گھٹ گئی ہے، ایڈوکیٹ آف انڈیا کا بھی یہی حال ہے، اخبار ہندو البتہ مستثنیٰ
ہے کہ رنگا آیر کی رہنمائی کے سبب سے وہ تا حال اسی آب و تاب سے قائم ہے، وہ اینگلو انڈین
اخبار مدراس میل سے بہت آگے بڑھ گیا ہے، حالانکہ میل کے ایڈیٹر لاسن اور لیبوجیپ بہت قابلیت
کے ساتھ اسے نکالتے ہیں، حال کے سیاسی معاملات کے باعث بعض طاقتور نئے اخبارات مثلاً
نیو انڈیا، انڈی پنڈنٹ، فارورڈ معرض وجود میں آئے، بمبئی کرانیکل، نیشنل ہیرلڈ، انڈین ڈیلی
میل، سوراجیہ، وائس آف انڈیا، فری پریس جرنل وغیرہ ہندوستانی مطالبات پر زور دیتے ہوئے
نکلے، کلکتہ کی صحافت کی ممتاز خصوصیت ہفتہ واری اشاعت ہے، کیپٹل کو ۱۸۸۸ء میں ٹریبون

نے نکالا، اس وقت سے آج تک یہ چوٹی کا اخبار ہے، سوشل رفارمر کا ذکر بھی کرنا چاہئے جسکا اڈیٹر مالاباری کی طرح پارٹی فیلنگ نہین رکھتا، بلکہ انتہائی ضبط کے ساتھ چلتا ہے، اخبارات کے دفتروں میں کفایت شعاری ملحوظ رکھی گئی ہے، اور جب سے مشین پریس روبہ کار آئے ہیں حروف کا جوڑنا، جمانا اور چھاپنا آسان ہوگیا ہے، اور آسانی کے سبب سے اخبارات نے تجارتی صورت اختیار کرلی ہے، محض اشتہارات کی وجہ سے ان کی مالی حالت درست رہتی ہے نیز اخبارات کو باتصویر نکالنے میں سہولت پیدا ہوگئی ہے، اخبار اسٹیٹسمین سب سے پہلے مصور نکلا، اسی کی جدّت کا ثمرہ ہے، کہ ٹائمز آف انڈیا باتصویر چھپتا ہے، اور دوسرے بہت سے اخبارات بھی تصویروں سے مزین ہوتے ہیں،

ایسوسی ایٹڈ پریس اور فری پریس کا تذکرہ نہایت ضروری ہے، ابتدا میں ان دونوں کے وجود میں آنے سے پہلے پانیر اخبار تمام سرکاری خبروں کا اکیلا اجارہ دار تھا، اسلئے اسکی یکتائی کے خلاف دونوں پریس شروع میں سعی کرنے لگے یہ دونوں پریس ابھی ان اخبارات کی دسترس سے باہر ہیں، جنکی مالی حالت اچھی نہیں ہے،

بخوف طوالت ہم بہت سے اخباروں کا تذکرہ نہیں کرسکتے، یہ کام انگریزی صحافت کے مورخ کا ہے، تاہم بعض اخباروں کا نام لکھنا ضروری ہے، مثلاً مسلمان کلکتہ، محمڈن مدراس، آئی ڈی ٹی یو پی) ابزرور لاہور، اسٹار الہ آباد، دی مسلم ہیرالڈ، کامرڈ دہلی، دی مسلم اوٹ لک لاہور، دی ایسٹرن ٹائمز، ٹریبون ، سول اینڈ ملٹری گزٹ اور لیڈر الہ آباد اپنے دور کے ممتاز اخبارات ہیں گاندھی جی کا اخبار ینگ انڈیا بھی بہت مقبول ہوا، ماڈرن ریویو کلکتہ، انڈین ریویو مدراس، الہ آباد ریویو، ایسٹ اینڈ ویسٹ بمبئی، دی اورینٹ لاہور، یہ ماہوار رسالے مشہور اور مقبول ہیں،

اخبار علمیہ

شخصیت کا سائنٹفک تجزیہ

حال میں امریکہ کے دو مشہور ڈاکٹروں ڈاکٹر ہیگرڈ (H.W. HAGGARD) اور ڈاکٹر فرائی (C.C. FRY) نے ایک بہت دلچسپ کتاب لکھ کر شائع کی ہے جس کا نام "تشریح شخصیت" (THE ANATOMY OF PERSONALITY) ہے، اس کتاب میں مصنفین نے شخصیت کا تجزیہ کیا ہے، اور چند ایسے قواعد بتائے ہیں جن کی مدد سے انسان کی سیرت (کیرکٹر) سے متعلق واقفیت حاصل کیجا سکتی ہے، یہ تصنیف اپنی قسم کی پہلی نہیں ہے، اب سے دو ہزار تین سو برس پہلے بھی افلاطون کے شاگرد اور ارسطو کے دوست تھیوفراسطوس (THEOPHRASTUS) نے انسانی سیرتوں پر ایک کتاب لکھی تھی اور اس کے بعد متعدد فلسفیوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں، لیکن سیرتوں کے معلوم کرنے کے جو اصول ان فلسفیوں نے مقرر کئے تھے وہ کامیاب ثابت نہ ہوئے، جس کی وجہ ڈاکٹر ہیگرڈ، اور ڈاکٹر فرائی کی رائے میں یہ ہے کہ وہ اصول سائنس پر مبنی نہ تھے، اپنی اس جدید تصنیف میں ان دونوں ڈاکٹروں نے بیان کیا ہے کہ شخصیت پانچ بنیادی عناصر سے ملکر بنتی ہے :- (۱) جسمانی ساخت (۲) قوتِ عمل (۳) فہم و دانائی (۴) مزاج اور (۵) انانیت وہ لکھتے ہیں کہ یہ خیال صحیح نہیں کہ انسان کی سیرت کا پتہ اس کے چہرہ سے لگایا جاسکتا ہے اور مزاج کا جسمانی ساخت سے، تاہم کسی شخص کی سیرت کے متعلق حکم لگانے کے لئے ان کے نزدیک بھی مناسب ہے کہ پہلے اس کی جسمانی ساخت پر نظر ڈالی جائے، انسان عموماً دو قسم کے

ہوتے ہیں، ایک وہ جن کا قد چھوٹا بدن گداز، اور جسم گول ہوتا ہے، ان کو سائنس کی اصطلاح میں پکنک (PYKNIC) کہتے ہیں، دوسرے وہ جو دبلے پتلے، چپٹے سینہ کے، اور کبھی کبھی ورزشی جسم کے ہوتے ہیں، ان کو لیپٹوسم (LEPTOSOME) کہتے ہیں، دونوں قسم کے انسانوں کی مزاجی کیفیت جنون و دیوانگی کی حالت میں بہت نمایاں ہوجاتی ہے، عموماً پکنک انسان جنون کی حالت میں انتہائی برانگیختگی یا گہری افسردگی کا شکار ہو جاتے ہیں، وہ خواہ صحیح الدماغ ہوں یا مجنون، واقعات و حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں، برخلاف اس کے لیپٹوسم عموماً خیالی دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں، فلاسفہ اور علمائے مابعد الطبیعیات زیادہ تر اسی گروہ میں پیدا ہوتے ہیں، اس امر کا انحصار کہ انسان اپنی شخصیت کے امکانات سے کس حد تک کام لے گا اس کی فہم و دانائی اور قوتِ عمل پر ہے، ڈاکٹر ہیگرڈ اور ڈاکٹر فرائی کی رائے میں یہ دونوں چیزیں پیدائشی ہیں اور آخر عمر تک بہت کم بدلتی ہیں، مزاج میں بھی تبدیلی بہت کم ہوتی ہے، مزاج ہی سے ایک زندہ دل اور افسردہ دل آدمی کا فرق ظاہر ہوتا ہے، لیکن حقیقۃً جو چیز انسان کی شخصیت کو حرکت میں لاتی ہے وہ اس کا انا (EGO) ہے، انا قوی بھی ہوتا ہے اور ضعیف بھی، جن لوگوں پر انا کا غلبہ ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں، ایک کا نصب العین صرف قوت ہے، ایسا شخص اپنے کو اپنے ماحول سے بلند تر محسوس کرتا ہے، اس کو دوسرے آدمیوں کی ضروریات سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی، وہ موافق یا مخالف تنقیدوں سے بے پروا رہتا ہے، وہ صرف قوت چاہتا ہے، خواہ کسی ذریعہ سے حاصل ہو سکے دوسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جن کا نصب العین وقار ہوتا ہے، ان کی بھی تین قسمیں ہیں، ایک وہ جو وقار کو جائز طور پر حاصل کرتے ہیں، اور اس کے حاصل کرنے کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں، دوسرے وہ لوگ جو تعمیری کوشش کم کرتے ہیں، لیکن زیادہ توجہ اس بات پر

رکھتے ہیں کہ دوسروں پر ان کی اہمیت کا اثر پڑتا ہے، تیسرے وہ جو اوروں کے کارناموں کی تخریب کو اپنے وقار کا ذریعہ بناتے ہیں، وہ دوسروں کے کارناموں کو تھوڑا دکھا کر انہیں اپنی سطح سے نیچے لانے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ مقابلہ میں تفوق کی ایک ظاہری شکل حاصل ہو جائے۔

جامعہ پرنسٹن کا شعبۂ علوم اسلامیہ

پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) میں علوم اسلامیہ کا جو شعبہ قائم کیا گیا ہے اس کا پہلا سسشن ۲۰ جون سے ۳۱ جولائی ۱۹۳۵ء تک جاری تھا، اس شعبہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ فضلاء جو تاریخ فنون لطیفہ، فلسفہ اور مذہب کی تعلیم میں مصروف ہیں اور اس سلسلہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کے صرف خارجی حالات سے وقتاً فوقتاً مطلع ہوتے رہتے ہیں، ان کو اس تہذیب کے عمیق مطالعہ کا موقع دیا جائے، چنانچہ اس قسم کے (۳۳) فضلاء، (۷) مختلف ممالک کے (۱۹) تعلیمی اداروں سے آکر طلبہ کی حیثیت سے اس شعبہ کے درس میں شریک ہوئے، نصاب میں اسلامی کلچر اور عربی لٹریچر کا درس ہر طالب علم کے لئے لازمی قرار دیا گیا تھا، یہ درس پروفیسر حتّی (HITTI) کے سپرد تھا جو اس شعبہ کے صدر ہیں، اس کے علاوہ اختیاری مضامین تھے جنمیں سے طلبہ کسی دو مضامین کو لے سکتے تھے، نصاب میں عربی زبان، عثمانی ترکی زبان، اور فارسی زبان کے درس بھی شامل تھے، سبق ہفتہ میں پانچ دن ہوتے تھے، ہر روز معمولی تین چار گھنٹے کام کے علاوہ مختلف مسائل پر بحث و مباحثے بھی ہوا کرتے تھے، علاوہ بریں مختلف علوم کے ممتاز فضلاء اپنے اپنے موضوع پر خطبے بھی دیتے تھے،

"ہر بچہ ایک کامل مجرم ہے"

واشنگٹن (امریکہ) کے ڈاکٹر جان اڈورڈ لینڈ (JOHN EDWARD LIND) اپنے تجربہ اور تحقیق کی بنا پر لکھتے ہیں کہ مجرم کوئی عجیب الخلقت ہستی نہیں ہوتا جس کا دماغ الٹے طریقہ پر کام کرتا ہے

یا جس کی حسِ اخلاقی فنا ہو جاتی ہے، وہ جسمانی اور نفسیاتی طور پر ویسا ہی ہوتا ہے، جیسا کوئی غیر مجرم، ہر بچہ ایک کامل مجرم ہوتا ہے، اس کو صرف اپنی ذاتی خواہشوں کا خیال رہتا ہے اور وہ تمام دوسری چیزوں کو اپنی خواہشوں کے تابع کرنا چاہتا ہے، وہ غذا اور آرام و آسایش کا مطالبہ کرتا ہے، اور اس وقت تک چلاتا اور شور مچاتا رہتا ہے جب تک ان چیزوں کو پا نہیں لیتا، اس کی سرگرمیاں اس کی جسمانی کمزوری کی وجہ سے محدود رہتی ہیں، ورنہ وہ ڈاکہ اور قتل سے بھی باز نہ آئے

خوش قسمتی سے اکثر بچے جوں جوں بڑھتے جاتے ہیں تہذیب و تمدن کے اثرات سے بھی بہرہ اندوز ہوتے جاتے ہیں، خاندان کے لوگ دائیاں، اور بعد میں اساتذہ وہ خیالات انکے ذہن نشین کراتے جاتے ہیں جو انسان ہزاروں برس سے بتدریج حاصل کر رہا ہے، لیکن کچھ بچے ان خیالات سے محروم رہجاتے ہیں، انکی زندگیاں ان خیالات سے مسخ ہوجاتی ہیں جو وہ اپنے ذلیل اور گندہ گھروں میں نیز خاندانی جھگڑوں سے حاصل کرتے ہیں، ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں: "بعض عادی مجرموں کے نفسیاتی مطالعہ سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ سوسائٹی سے انکا مستقل طور پر برسرِ پیکار رہنا حقیقۃً اس نفرت کی علامت ہے جو وہ کبھی ایک سخت اور بدسلوک باپ یا بڑے بھائی کے خلاف رکھتے تھے"

موصوف کی رائے میں مجرم پانچ قسم کے ہوتے ہیں:- (۱) قانونی (۲) اتفاقی (۳) اعصابی (۴) معمولی (۵) نفسیاتی

موجودہ زمانہ کی قانونی پیچیدگیوں کی بنا پر تقریباً ہر شخص قانونی مجرم قرار دیا جا سکتا ہے، اتفاقی مجرم وہ ہیں جن سے کسی جرم کا ارتکاب یا تو سخت غصہ اور جذبہ کی حالت میں ہوتا ہے، یا جب وہ کسی شدید ضرورت سے مجبور ہو جاتے ہیں، بہتیرے قاتل اسی قسم میں آتے ہیں، اعصابی مجرم وہ ہیں جو کسی اندرونی کشمکش میں مبتلا ہوتے ہیں، اس کشمکش سے مضطرب ہو کر وہ چوری کر بیٹھتے ہیں حالانکہ انہیں روپیہ کی ضرورت نہیں ہوتی یا محض تفریحی طور پر بلا کسی خاص غرض کے کسی مکان میں آگ لگا دیتے ہیں، معمولی مجرم وہ ہیں جنھوں نے بچپن میں غلط نصب العین حاصل کئے ہیں، وہ بچپن ہی سے کسی ڈاکو یا رہزن کو اپنا ہیرو سمجھنے لگے اور جب بڑے ہوئے تو خود بھی ویسا ہی بننے کی مسلسل کوشش کرتے رہے، ان تمام مجرموں میں صرف نفسیاتی مجرم ایسا ہے جو ذہنی طور پر مسخ ہو چکتا ہے، لیکن ایسے مجرموں کی تعداد بہت تھوڑی ہے،

"ع۔ ز"

ادبیات

باقیاتِ فانی

از

حضرت فانی بدایونی،

موت کی رسم نہ تھی اون کی ادا سے پہلے ۔۔۔ زندگی درد بنانی تھی دوا سے پہلے

کیوں رہے بیچ میں یہ واسطۂ حسنِ قبول ۔۔۔ بند کر بابِ اثر میری دعا سے پہلے

کاٹ ہی دینگے قیامت کے دن اک اور بھی ۔۔۔ دن گذارے ہیں محبت میں قضا سے پہلے

دو گھڑی کے لئے میزانِ عدالت ٹھہرے ۔۔۔ کچھ مجھے حشر میں کہنا ہے خدا سے پہلے

کچھ ادائیں ہیں جنھیں قتلِ عبث ہے منظور ۔۔۔ کچھ سزائیں ہیں جو ملتی ہیں خطا سے پہلے

ہائے ان کا میری میت پہ یہ عذرِ تاخیر ۔۔۔ سو گئے تم میرے دامن کی ہوا سے پہلے

دارِ فانی میں یہ کیا ڈھونڈ رہا ہے فانی
زندگی بھی کہیں ملتی ہے فنا سے پہلے،

تابشِ سہیل

از جناب اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے (علیگ) ایڈوکیٹ اعظم گڈہ،

رنگ و بو کے اس سرابستان میں نشتند چھوڑ کر ۔۔۔ کیا ہوا حسنِ حقیقت مجھکو مضطر چھوڑ کر

جی لگیگا خاک یہ جان بخش منظر چھوڑ کر ۔۔۔ خلد کو میری بلا جائے تیرا در چھوڑ کر

دیکھ اے خورشیدِ محشر تیری رسوائی نہ ہو
مشقِ تابش کر، تو میرا دامنِ تر چھوڑ کر

حشر کس کی بزم ہے، یارب کہ دوڑی ہے چلی
رند ساغر چھوڑ کر، زاہد منبر چھوڑ کر

کوئی کعبہ چاہیے مجھکو پئے مشقِ طواف
ڈھونڈنے جائیں کہاں اب لکا کو چھوڑ کر

دہر کا ہر ذرہ باہم برسرِ پیکار ہے،
کون اس پردے میں ہے چشمِ فسونگر چھوڑ کر

ہیں بہت میدان تری حشر آفرینی کیلئے
دل کی دنیا نے نگاہِ فتنہ پرور چھوڑ کر

رہ گئی ہے کیا قفس میں اب ہماری یادگار
چند تنکے اور کچھ ٹوٹے ہوئے پر چھوڑ کر

سو جفاؤں پر بھی رکھا حسن کا پاسِ ادب
کب کہا کچھ مین نے ان کو بندہ پرور چھوڑ کر

آئی وسعت پر نہ نکلا جب تپش کا حوصلہ
اور اب جائیں کہاں صحرائے محشر چھوڑ کر

خاکِ دل برباد کی اور بسیہ فرماتے ہیں آپ
بے وفا اٹھے ہی آخر کوے دلبر چھوڑ کر

ہو چکا زورِ طبیعت حضرتِ اقبال کا
اب رہا ہی کیا ہے ایک روحِ مضطر چھوڑ کر

کلیاتِ شبلی فارسی

یہ مولینا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ ہے، ۲۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، ضخامت ۱۲۲ صفحے قیمت عیر

کلیاتِ شبلی اردو

یہ مولینا کی تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی اردو نظموں کا مجموعہ ہے، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کی چہل سالہ جد وجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے،

ضخامت ۱۲۰ صفحے، قیمت :- عہر

"مینیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

تاریخ الحدیث، از مولوی قاضی عبد الصمد صاحب صارم سیوہاروی، حجم ۳۰۰ صفحے، قیمت عا، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد، دکن،

علم حدیث کی تدوین پر ہندوستانی زبان میں اس وقت تک کئی کتابیں لکھی گئیں اور سیرت نبوی اور صحابہ کرام وتابعین، اور ائمہ محدثین کی سیر وسوانح کے ذیل میں اس علم کی تاریخ کے متعلق بھی اچھے خاصے معلومات فراہم ہوئے، تاریخ الحدیث میں حتی الامکان ان مآخذ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے اور اس طرح اس میں علم حدیث کی تاریخ کے متعلق معلومات یکجا ہو گئے ہیں،

کتاب کے آغاز میں ہندوستانی زبان میں اس وقت تک علم حدیث کی تاریخ سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، مصنف نے اسے شمار کرایا ہے، لیکن اس فہرست میں جہاں علم حدیث سے غیر متعلق بعض کتابوں کے صفحہ دو صفحوں کے مواد کا ذکر آیا ہے، وہاں علم حدیث سے متعلق بعض مستقل مباحث بعض سلسلۂ ہائے مضامین اور بعض کتابوں کے علم حدیث پر مستقل ابواب کے تذکرے نظرانداز ہو گئے ہیں، حالانکہ تاریخ الحدیث کی تدوین میں ان سے پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے، یوں تو "علم حدیث" کے عنوان سے الندوہ میں علم حدیث کی تاریخ پر بعض تحقیقی مضامین ہندوستانی زبان میں شاید پہلی مرتبہ شائع ہوئے، لیکن وہ مصنف کی نظر سے نہیں گذر سکے، لیکن "ہندوستان اور علم حدیث" کے عنوان سے معارف کے آٹھ دس نمبروں میں جو مسلسل مضامین شائع ہوئے ہیں اون سے مصنف نے اس کتاب میں بھی "ہندوستان اور علم حدیث" کے بیان میں فائدہ اٹھایا ہے، پھر اسوۂ صحابہ جلد دوم

میں علم حدیث پر ص ۲۹۰ سے ص ۳۲۱ تک میں "علم حدیث اور صحابۂ کرام" کے سلسلہ میں مستقل عنوانوں سے مختلف مباحث میں مصنف نے تقریباً انہی سرخیوں سے ان مباحث و روایات کو دور صحابہ میں علم حدیث کی سرگذشت بیان کرتے ہوئے ملخصاً نقل کیا ہے،

کتاب کی ترتیب و تبویب پر بھی مزید توجہ کی ضرورت تھی، اسی طرح مصنف نے کتاب کے بیچ بیچ میں مختلف غیر متعلق مسائل و مباحث داخل کر دیئے ہیں، جنہیں معروضات و گذارشات بھی ہیں، انہیں زیادہ سے زیادہ دیباچہ و مقدمہ میں جگہ دیجا سکتی تھی، مباحث کے بیان میں اجمال و تفصیل کی ضرورتوں پر بھی نگاہ نہیں رہی، بعض مقامات پر جہاں تفصیل کی ضرورت تھی، اجمال سے کام لیا گیا، اور جہاں اجمال و اشارہ سے کام چل سکتا تھا، وہاں تفصیلات بیان کی گئی ہیں،

تاہم مجموعی حیثیت سے اس کتاب میں علم حدیث کی تاریخ کے ہر پہلو پر اجمالی طور پر معلومات کا کچھ نہ کچھ ذخیرہ فراہم ہوگیا ہے، اور مصنف کی سعی و محنت قابل قدر اور لائق ستایش ہے، توقع ہے کہ مسلمان اس سے پورا فائدہ اٹھائیں گے.

مثنویات

، از جناب محمد امیر احمد صاحب علوی بی اے، حجم ۱۰۲ صفحے، قیمت: ۱۲ ار تبہ: امیر محل لائبریری، نصیر باغ، کاکوری، ضلع لکھنؤ،

یہ ہندوستانی زبان کی مثنویوں پر ایک فاضلانہ تبصرہ ہے، جس میں دکنی مثنویوں سے دور حاضر سے پہلے تک کی مثنویوں پر جامعیت و اختصار سے نظر ڈالی گئی ہے، لائق مصنف کے نزدیک دکنی مثنویوں کا اردو زبان سے برائے نام تعلق ہے، چنانچہ ان پر بعض سرسری گفتگو کی ہے، پھر ہر دور کی اہم مثنویوں کو پیش کیا ہے، اس سلسلہ میں اگر یہ مجموعی طور پر سحر البیان اور گلزار نسیم کو باہم ہم رتبہ قرار دیکر ان دونوں کو تمام مثنویوں پر فوقیت دی ہے، تاہم انداز بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک سحر البیان پر گلزار نسیم کو ترجیح حاصل ہے، پھر معقول و لائل سے درجہ اول کی مثنویاں شمار کرائی ہیں، اور آخر میں مثنویوں کا ایک عام نقشہ

مرتب کر دیا ہے، ہر مثنوی کے تذکرہ کے ساتھ چند اقتباسات بھی درج ہیں، اس رسالہ میں مختصر ہونے کے باوجود اردو مثنویوں کے متعلق دلچسپ ادبی نقد کے ساتھ شاید اس سے زیادہ مباحث کسی دوسری جگہ کبھی نظر نہ آئیں،

باپ کے خط بیٹی کے نام

، از جناب پنڈت جواہر لال صاحب نہرو۔ حجم ۱۸۳ صفحے، ناشر کتابستان نمبر ۱۷ سٹی روڈ، الہ آباد، قیمت مع جلد عگار

یہ چند تعلیمی خطوط کا مجموعہ ہے، جنہیں ہندوستان کے مشہور محب وطن پنڈت جواہر لال نہرو نے دلنشین انداز بیان اور پدرانہ شفقت و محبت کے ساتھ اپنی بیٹی اندرا کے نام لکھے ہیں، ان میں دنیا کی پیدایش جانداروں اور انسانوں کی تخلیق، قبیلہ، نسل اور زبان کے اعتبار سے ان کی تقسیم پھر عہد بعہد میں انسان کی تہذیب و تمدن اور اسکی مختلف شاخوں میں ترقیاں بیان کی ہیں، ان تاریخی معلومات کے ساتھ خطوط میں اخوت انسانی، حب وطن اور ہندوستان کی خدمت کرنے کی تلقین کی گئی ہے، یہ خطوط انگریزی میں شایع ہوئے تھے، اور پنڈت جی کی اجازت سے ان کا سلیس اور آسان ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا گیا، اور عمدہ کاغذ اور اہتمام کی لکھائی چھپائی کے ساتھ شایع کئے گئے ہیں، اگرچہ ہمیں پنڈت جی کے بعض خیالات سے اتفاق نہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے یہ کار آمد کتاب ہے، اس سے نہ صرف کم عمر طلبہ بلکہ اوسط درجہ کا اردو خواں تعلیم یافتہ طبقہ فائدہ اٹھا سکتا ہے،

گیارہ عورتوں کی کہانی

، از مولوی سید عبد اللہ صاحب رضوی دسنوی معلم مدرسہ حنفیہ آرہ، قیمت ار

صحیح بخاری میں ایک طویل اخلاقی و اصلاحی حدیث مروی ہے، جس میں آنحضرت صلعم نے قصہ کے طور پر گیارہ عورتوں کے ازدواجی حالات بیان فرمائے ہیں، اس کا بامحاورہ اور سلیس ترجمہ "حدیث ام زرع" کے عنوان سے کیا گیا ہے، ترجمہ میں بخاری کی شرحوں سے جابجا حواشی بڑھائے گئے ہیں،

ذکرِ نبی از جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی ۱۱۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲ ر، پتہ مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ، مصطفےٰ بازار، حیدرآباد، دکن،

مؤلف نے آنحضرت صلعم کی سیرت پاک پر وقتاً فوقتاً مختلف مضامین مثلاً "رسول کریم کی خانگی زندگی"، "رحمۃ للعالمین"، "بعثت کے نتائج"، "تعلیم نبوی" اور "آنحضرت صلعم بحیثیت سپہ سالار کے" وغیرہ لکھے تھے، اس رسالہ میں ان کو جمع کیا گیا ہے، ان سے سیرت پاک کے مختلف پہلو نمایاں ہوتے ہیں،

آخری نبی، دس جنتی از جناب الیاس احمد صاحب مجیبی، حجم بہ ترتیب ۴۰-۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۲ ر، ۵ ر مکتبہ جامعہ ملیہ، قرول باغ، دہلی،

جناب الیاس احمد صاحب مجیبی چھوٹے بچوں کے لئے سہل و آسان زبان میں رسالے لکھنے کا بڑا سلیقہ رکھتے ہیں، وہ کئی چھوٹے چھوٹے رسالے کمسن بچوں کے لئے لکھ چکے ہیں، یہ دونوں بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، رسالہ "آخری نبی" میں آنحضرت صلعم کی سیرت بہت کمسن بچوں کو پڑھانے کیلئے لکھی گئی ہے، اسے قاعدہ ختم کرا کر پڑھا سکتے ہیں، اس کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، دوسرے رسالہ "دس جنتی" میں، حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے مختصر سوانح درج ہیں، یہ ذرا بڑی عمر کے بچوں کے لئے ہے، امید ہے کہ مصنف کے دوسرے رسالوں کی طرح یہ بھی مقبول ہوگا،

اسلامیات، ہر سہ حصہ، از جناب سلیم عبد اللہ، دفتر البینات، امراوتی (برار) حجم بہ ترتیب ۴۴-۳۴-۳۶ اور ۶۱ صفحے، قیمت ۲، ۳ ر، اور ۵ ر

یہ تینوں رسالے مسلمان بچوں کو دینیات کی تعلیم دینے کے لئے عام فہم زبان میں لکھے گئے ہیں، جن میں اسباق کی تقسیم کے ساتھ توحید، رسالت، قصص انبیاء، اور اسلام کے مذہبی و اخلاقی تعلیمات بیان کئے گئے ہیں، بچوں کے مذہبی معلومات کے لئے یہ کارآمد رسالے ہیں،

خنجر بران، از جناب عبد الکریم صاحب سہراب اعظمی حجم ۱۰۰ صفحے، قیمت ۱۰ ر مؤلف

سے بازار خانی باغ سہارن پور (یو پی) کے پتہ سے مل سکتی ہے،

یہ رسالہ مولوی محمد شفیع صاحب مدرس و سابق مفتی دار العلوم دیوبند کے رسالہ غایات النسب اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی بعض تحریروں کے جواب میں ہے، جس میں خاص طور پر مسئلہ کفو پر معقول دلائل کے ساتھ بحث کی گئی ہے، اور رسالہ غایات النسب میں جو ضعیف اور موضوع حدیثیں اور محاضرات کی کتابوں کی جو روایتیں درج کی گئی ہیں، ان کا پردہ چاک کیا گیا ہے، افسوس کہ رسالہ کا لب و لہجہ مناظرانہ ہے، جس سے دامن بچانے کی ضرورت تھی،

رہنمائے حج، از مولوی ابو المکارم محمد عبد البصیر صاحب عتیقی آزاد سیوہاروی، حجم ۱۵۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی، قیمت ۱۲ ر

اس میں مؤلف نے ادائے حج کے طریقہ، مکہ معظمہ کے بعض مآثر اور اپنے سفر حج کے حالات بیان کئے ہیں،

مفید الاطفال، نماز کی کتاب، روزہ کی کتاب، اسلامی تہذیب از مولنا حافظ ابوبکر محمد شیث صاحب فاروقی، ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، حجم بہ ترتیب ۲۴، ۸۰، ۳۶، ۳۶ صفحات، قیمت ۱ ر، ۳ ر، ۲ ر، ۲ ر پتہ مولوی ابو المغازی علی اعلیٰ فاروقی مہتمم دائرہ مطبوعات ملیہ، بازار الف خان، جون پور،

مولانا ابوبکر محمد شیث صاحب نے چھوٹے بچوں کے لئے رسائل دینیات کا ایک مفید سلسلہ لکھا ہے، جس کے چار نمبر اب تک شائع ہو چکے ہیں، پہلے رسالہ "مفید الاطفال" میں سادہ طریقہ سے اذان اور نماز کی ماثورہ دعائیں لکھی ہیں، اس رسالہ کو زبانی یاد کرانے کے بعد "نماز کی کتاب" شروع کرائی جائے گی، اس میں طہارت و وضو کے ضروری مسائل کے بعد نماز اور اس کے متداول فقہی مسائل اچھی ترتیب سے اور عام فہم زبان میں قلمبند کئے گئے ہیں، اس رسالہ کو فقہ کے ابواب طہارت و صلوٰۃ کی عمدہ تلخیص سمجھنا چاہئے، پھر تیسرے رسالہ "روزہ کی کتاب" میں روزہ کے عام مسائل بیان

کے گئے ہین، اس کے بعد چوتھا رسالہ "اسلامی تہذیب" کے نام سے ہے، جس مین اسلامی عقائد و اخلاق و آدب، سوال و جواب کے طرز مین لکھے گئے ہین، یہ رسائل مکتبون مین پڑھائے جانے کے قابل ہین،

تعلیم خانہ داری، بچون کی استانی، گھروالی کی تربیت، از جناب حافظ سید عزیز حسن صاحب بقائی اڈیٹر رسالہ مینو از زیر جامع مسجد دہلی حجم بہ ترتیب ۱۰۷، ۹۵، ۷۰، صفحے، قیمت :- عمر، ۸ر، ۸ر،

یہ تینون معاشرتی اصلاحی رسالے ہین، "تعلیم خانہ داری" گھر کی شریف بہو بیٹیون کو خانہ داری کی ضروری تعلیم دینے کے لئے لکھا گیا ہے، جس مین گھر کی چھوٹی بڑی ضروریات گنائی گئی ہین، پھر کھانا پکانے، سینے پرونے، بیل بوٹے بنانے اور لکھنے پڑھنے غرض ایک خوش سلیقہ شریف لڑکی کے لئے جن معلومات کی ضرورت ہوتی ہے، ان سب کو مستقل عنوانون سے لکھا گیا ہے، اور یہ اس لحاظ سے ایک کارآمد رسالہ ہے، دوسرے رسالہ مین فسانہ کے طرز مین بچون کے مدرسہ کی زندگی، اور ضروری تعلیمی معلومات درج کئے گئے ہین، اور تیسرے رسالہ مین بھی فسانہ ہی کے طور پر لڑکیون کو اہلی زندگی گذارنے کے طریقے بتائے گئے ہین،

مرزا قادیانی، از جناب عبد الغفور صاحب عابدی حیدرآباد، دکن حجم ۱۶ صفحے، قیمت ۱ر،

اس مین مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے عقائد کی تردید کرکے دکھایا گیا ہے کہ وہ نہ نبی و مہدی ہو سکتے ہین، اور نہ مسیح ثانی و مجدد کہے جانے کے مستحق ہین،

وٹامانس، از جناب لفٹنٹ کرنل محمد اشرف الحق صاحب قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد دکن، صفحے ۳، قیمت ۲ر،

این وٹامن (جوہر حیات) کی حقیقت، اس کے اقسام اور خواص اختصار کیساتھ بیان کئے گئے ہین،

خوشہ پروین، مرتبہ جناب سید کاظم مدیر کہکشان نمبر ۲۲۵۳، گلی تارا، دہلی، حجم ۲۲ صفحے، تقطیع مبی، قیمت سہ،

اس مین جناب فضل الدین فدا، دینا نگری کے سو شعر چھاپے گئے ہین، "س"

جلد ۳۷	ماہ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۶ء	عدد ۶

مضامین